روشنی کا بدن



رانا افتخار احمد ثاقب

روشنی کا بدن
رانا افتخار احمد ثاقب
اُمت الحفیظ پبلی کیشنز

Roshni Ka Badan

by:

Rana Iftikhar Ahmad Saqib



روشنی کا بدن کیسا چمکتا ہے
میرے اندر سے شعلہ سا لپکتا ہے

ISBN:978-91-527-7511-0

اُمت الحفیظ پبلی کیشنز

UMMAT-UL-HAFEEZ PUBLICATIONS

روشنی کا بدن

Roshni ka badan

(urdy poetry)

writer

rana iftikhar Ahmed saqab

روشنی کا بدن

رانا افتخار احمد ثاقب

امت الحفیظ پبلیکشنز
0300 9656388

نام کتاب: روشنی کا بدن

شاعر: رانا افتخار احمد ثاقب

بارِاول: 2023

اہتمام: محمد آصف سردار آرائیں

(0092301 7080851)

ٹائٹل: ثاقب

تعداد: 500

قیمت: 700

امت الحفیظ پبلیکشنز

0300 965 6388

Name of book: Roshni ka badan

ISBN : 978-91-527-7511-0

روشنی کا بدن کیسا چمکتا ہے
میرے اندر سے شعلہ سا لپکتا ہے

اک زمیں ہے مرے پاؤں جلاتی ہے
ایک سورج مرے سر پر دہکتا ہے

انتساب

قابلِ احترام اساتذہ کے نام

محترم بقا بلوچ صاحب
محترم پروفیسر نواب نقوی صاحب

اردو ادب کا شہابِ ثاقب

افتخار احمد ثاقب

بشکریہ

ڈاکٹر پروفیسر مقصود جعفری

فہرست

پیش لفظ

معزز قارئین میرا یہ تیسرا مجموعہ کلام ''روشنی کا بدن'' آپ کے ہاتھوں میں اور امید کرتا ہوں کہ میری یہ تیسری کتاب بھی آپ کو پسند آئے گی میری اس کتاب پر تبصرہ آج کے دور کے عظیم دانشور، محقق، ادیب اور ہفت زباں شاعر محترم جناب ڈاکٹر مقصود جعفری نے فرمایا ہے جو امریکہ اور پاکستان میں انگریزی ادبیات کے پروفیسر رہے ہیں آپ نے امریکہ سے انگریزی ادب میں پی ایچ ڈی اور فلسفہ میں ڈی فل کی ڈگری حاصل کی۔ اس وقت تک آپ کی اردو فارسی اور انگریزی زبان میں شاعری فلسفہ اور سیاسیات کے موضوع پر چھتیس کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ آپ ایک سیاسی شخصیت بھی ہیں آپ وزیر اعظم کشمیر کے مشیر اور وزیر اعظم پاکستان محترمہ بینظیر بھٹو صاحبہ کے پولیٹیکل ریسرچ سنٹر کے انچارج اور مشیر بھی رہ چکے ہیں۔ میں ان کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ممنون کہ انہوں نے اپنے قیمتی وقت سے کچھ وقت میرے لئے نکالا اور خاکسار کی شاعری پر بہت ہی خوبصورت تبصرہ بھی فرمایا۔ اللہ کریم سے عاجزانہ دعا ہے کہ خدائے عز و جل ان کو طویل اور صحت مند زندگی عطا فرمائے۔

دعا گو

رانا افتخار احمد ثاقب

اردو ادب کا شہابِ ثاقب

ڈاکٹر مقصود جعفری

شاعری بنیادی طور پر دل کا معاملہ ہے دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ دل مرکزِ وجدان ہے وجدان دولتِ الہام ہے رانا افتخار احمد ثاقب ایک صاحبِ دل انسان ہیں اور صاحبِ دل صاحبِ درد ہوتا ہے میرا ایک شعر ہے

سب کچھ بجا ہے عالمِ تخلیق میں مگر
سب کچھ بنا دیا ہے اگر دل بنا دیا

ثاقب صاحب کا پہلا شعری مجموعہ بعنوان ''رقصِ دل'' شائع ہوا تھا یہ رقصِ دل دراصل رومی کا رقصِ درویش ہے جو ایک جہانِ معنی ہے آپ کی دوسری شاعری کی کتاب ''ستاروں سے پرے'' کے عنوان سے چھپی بقول علامہ اقبال:

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

عشق کا امتحاں بڑا جان لیوا اور روح فرسا ہوتا ہے چاہے وہ عشقِ مجازی ہو یا عشقِ حقیقی دل ویران ہو جاتا ہے مرزا غالب نے اس ویرانی کا رونا یوں رویا کہتے ہیں:

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

لیکن ثاقب صاحب نے غمِ جاناں کو غمِ دوراں بنا دیا کہتے ہیں:

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے دیکھو
ابھی قحطِ بہاراں ہے معاذ اللہ

یہ قحطِ بہاراں وہ خزاں ہے جو نہ صرف دلِ ویراں پر چھائی ہے بلکہ گلشنِ زندگی کو بھی اجاڑ دیتی ہے۔

بقولِ جگر مرادآبادی:

چمن والوں سے مجھ صحرا نشیں کی بود و باش اچھی
بہار آ کر چلی جاتی ہے ویرانی نہیں جاتی

ثاقب صاحب کی شاعری میں شدتِ کرب اور حدتِ درد ہے زبان و بیان میں سلاست و بلاغت ہے شیرینی اور روانی ہے جو جوئے جوانی اور طبع کی جولانی ہے۔

شاعری رمزِ شعور اور بادہء سرور ہے ثاقب صاحب کی شاعری روایت اور جدت کا حسین امتزاج ہے ان کی نگاہ تیز بیں معاشرے پر ہے کہتے ہیں۔

چشمِ بینا دیکھتی ہے دور تک
رک گیا جیسے بیاباں آنکھ میں

شاعر کی آنکھ چشمِ نرگس نہیں ہوتی جو نہ بصارت رکھتی ہے اور نہ بصیرت چشمِ بینا بصارت و بصیرت کی آئینہ دار ہوتی ہے ثاقب صاحب دیدہ ء بینا رکھتے ہیں اور ان کی شاعری میں خواب و خیال کی نہیں بلکہ زندگی کے حقائق کی شاعری ہے بقول اقبال:

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریفِ سنگ

اِن کی شاعری کی تیسری کتاب ، روشنی کا بدن ، زیرِ طبع ہے اے روشنی طبع تو ہر من بلا شدی والا معاملہ ہے کہتے ہیں۔

دل کو روشن رکھتا ہے ثاقب مرے
میری جاں کا روئے نازاں آنکھ میں

ان کے دل کو روشن روشنی کا بدن ہی رکھ سکتا ہے۔روشنی کا بدن ایک استعارہ ہے۔ جب یہ روشنیءطبع آئے گی تو جہالت ضلالت نکبت نخوت ذلالت کدورت عداوت اور ہلاکت پر مبنی انسانی معاشرہ محبت شرافت عزت اور عظمت کا روپ دھارلے گا اور یہی ثاقب صاحب کی شاعری کا مدعاومقصد ہے۔

ڈاکٹرمقصودجعفری

نیویارک

''میرے دوسرے مجموعہ کلام ستاروں سے پرے''

جناب سرور غزالی صاحب کا تبصرہ

جناب سرور غزالی صاحب جو کہ جرمنی کے شہر برلن میں رہائش پذیر ہیں وہ بہترین مصنف ناول نگار افسانہ نویس اور نامور نقاد ہیں میری کتاب ''ستاروں سے پرے'' پر بہت خوبصورت اور منفرد انداز میں تبصرہ فرمایا ہے دیکھئے۔

شاعری اردو ادب کی ایک معروف صنف ہے۔ نثار آپ کو اردو ادب میں کم ملیں گے مگر شعراء بے شمار۔

لیکن اردو شاعری نثر کے مقابل زیادہ مشکل صنف ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ شعری مجموعے بہت منظر عام پر آتے ہیں مگر مقبول کم ہی ہو پاتے ہیں۔ صنف شاعری اپنی معنوی حیثیت میں تجرباتی دور سے گزر رہی ہے۔ کلاسیکی طرز کی غنایت اور لطافت کے ساتھ ساتھ بدلتے زمانے کا مطالبہ مسائل سے آگاہی اور دور جدید سے مطابقت رکھتے موضوعات پر سخن سازی ہے یہ موجودہ دور کی ایک اہم تبدیلی اور ضرورت ہے۔ اب آج کل وہی کلام بہتر مانا جائے گا جو اسلوب میں کلاسیکل ہو مگر موضوعات میں تنوع ہو۔ پرانے موضوعات پر غزل گوئی یا نظم نگاری سے شاعر اپنے آپ کو منوا نہیں سکتا۔ اس تناظر میں سوئیڈن کے شہر اسٹاک ہولم میں مقیم شاعر رانا افتخار احمد ثاقب کے شعری مجموعے کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ موصوف شعراء کی جھرمٹ میں منفرد نظر آتے ہیں۔ شعری مجموعے کو شریک حیات کے نام سے اور انہیں عزیز از جان قرار دے کر بھی انہوں نے عام ڈگر اپنانے سے گریز کیا ہے۔ اس طرز عمل سے ان کے مضبوط کردار کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی کہ وہ محبت کی چھتر چھاوں سے آشنا ہیں اور ان کی شاعری مایوسی اور یاسیت سے پاک ہے۔

زیر مطالعہ شعری مجموعہ ستاروں سے پرے کے انتساب میں وہ نہایت دیانت داری سے خود کو جون ایلیا کا شاگرد مانتے ہیں وہ جون صاحب سے عقیدت اور ان کی سجھائی راہ پر چلنے کو فخر یہ انداز میں تسلیم کر کے درحقیقت اپنے بڑے پن کا اظہار کرتے ہیں۔ان کے اس برملا اظہار کے باوجود وہ جون صاحب کی نقالی سے بہت دور اپنی راہ بناتے نظر آتے ہیں۔

جن کے دل میں قیام ہے تیرا
وہ بہت بے قرار ہیں مولا

شعری مجموعے کی پہلی حمد سے ہی شاعر کے رجحانات کا اندازہ ہوتا ہے۔ثاقب ایک بے قرار دل کا گلہ بھی حمد میں خدائے بزرگ و برتر کی شان میں حمد پیش کر کے کرتے ہیں اور اس پر بھی شکرگزار ہیں۔

ثاقب نے اپنے شعری مجموعے کو قطعی طور پر کلاسیکی طرز اسلوب اور نئے دور کے تقاضے اور موضوعات پر ترتیب دیا ہے۔ان کی غزلیں مرصع اور غنایت و لطافت سے بھرپور ہیں۔وہ کہتے ہیں

تم نے شادی تو غیر سے کر لی
غیر خود کو بھی میں بنادوں کیا

ثاقب نے اپنی متعین کردہ راہ اور اپنے اسلوب کو خود ہی شاعرانہ انداز میں پیش کر دیا ہے۔

اس زمیں کے سب نظاروں سے پرے
ہے سفر میرا ستاروں سے پرے
میں سمندر چیر کر چلتا گیا
عشق میرا ہے کناروں سے پرے

ثاقب کا گداز دل انہیں زمانے کی تلخی سے آشنا کراتا ہے وہ زمانے کی روش پر شاکی

ضرور ہیں مگر دل برداشتہ نہیں بلکہ نہایت ثابت قدم اور اسی لیے کہتے ہیں

میرے چاروں طرف دیکھو کتنی ہیں گھورتی آنکھیں
کس طرح چل رہا ہوں میں ایسی آنکھوں کی بارش میں

پر تنقید نظروں کی گویا بارش ہو رہی ہو اور آپ اسے میں دامن بچا کے چل رہے ہوں جیسے۔

وہ سادہ، لیکن تیکھی تراشی اور چمکائی ہوئی زبان میں نہایت گہری اور شورانگیز باتیں کہنے والے شاعر ہیں۔ وہ روایت شکن ہیں لیکن ان کی شاعری کا لہجہ اتنا مہذب نرم اور غنائی ہے کہ ان کے اشعار کسی نشتر کی طرح سیدھے دل میں اترتے ہوئے سامع یا قاری کو فوری طور پر ان کی فنّی خوبیوں پر غور کرنے کا موقع ہی نہیں دیتے۔ ان کی تازہ بیانی کے ساتھ دلوں میں اتر جانے والی عشقیہ شاعری بھی خوب ہے۔

ان کے یہاں مختلف نوع کے رنگ اور نئے مضامین و موضوعات ہیں جو اردو غزل کی روایت میں نیا در وا کرتے ہیں اور روایت سے انحراف کے طور پر بھی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی نظمیں بھی موضوعاتی نہ ہو کر حسیاتی ہیں۔

تو مجھے ہرگز کسی سے کم نہ جان
شان ہے مری تو شاہوں سے پرے۔

ثاقب خود اس شعر میں اپنی حیثیت کو منوا رہے ہیں۔
ہوز ورقلم اور زیادہ۔۔۔۔۔

سرور غزالی

برلن جرمنی مورخہ 3-مارچ 2023

ریاست شاعری کا نواب

استادمحترم پروفیسرنواب نقوی صاحب ذاتی طور پرایک سچے اور کھرے انسان ہیں وضع داری اور بردباری ان کی شخصیت کا طرہء امتیاز ہے یہ بھی نہیں کہ وہ بہت ہی سنجیدہ اور کھردری طبیعت کے مالک ہیں بلکہ ان میں شوخی اور شرارت بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان میں ایک معصومیت اور بچپنا بھی ہے اور نازک مزاجی بھی۔ان کی یہ تمام خصوصیات ان کی شاعری میں بھی جابجا نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔نواب صاحب کی زندگی کا زیادہ تر حصہ تعلیم و تدریس میں گزرااورانہوں نے اپنے تمام فرائض کو انتہائی دیانتداری سے انجام دیااس لئے وہ اپنی ذات سے مطمئن ہیں اوران کے دل میں کوئی خلش یا شرمندگی نہیں ہے۔ نواب صاحب بہت ہی ہمدرد اور محبت کرنے والے انسان ہیں اور دوسرے انسانوں کا بلا رنگ و نسل احترام کرتے ہیں۔ یہ تو تھا ان کی ذات کا مختصر سا تعارف اب چلتے ہیں۔ان کی شاعری کی طرف شاعری جذبات کا ابلتا ہوا چشمہ ہے اور شاعری احساسات و جذبات اور مشاہدات و تجربات کو الفاظ کے قالب میں اس طرح سے ڈھالنے کا نام ہے کہ اس میں الفاظ کا امتزاج اور انتخاب ایسا ہو کہ بات دل پذیر بھی ہو جائے اور اس میں نغمیت بھی ہو۔ پروفیسر نواب نقوی صاحب ایک حساس انسان ہیں اور یہی حساسیت ہے جو انسان کو تخلیق کار بناتی ہے۔انہوں نے اپنی شاعری میں اپنے احساسات ، جذبات ، مشاہدات اور تخیلات کا بڑے سلیقے سے کامیاب فنکارانہ طریق سے اظہار کیا ہے۔ چونکہ پروفیسر صاحب تعلیم وتدریس سے منسلک رہے ہیں اور ان کا مطالعہ بھی بہت وسیع ہے وہ نہ صرف اردو زبان کے قواعد وضوابط کو بخوبی جانتے ہیں وہ اس بات میں یگانہ مہارت رکھتے ہیں کہ تشبیہات واستعارات اور کنایات کے بہتر استعمال سے کس

طرح شاعری کی خوبصورتی کو چار چاند لگائے جا سکتے ہیں۔ نواب صاحب کے کلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے۔ ان کے خیالات، اسالیب بیان ذوق امتیاز دوسرے شعرا کے مقابلہ میں ایک نمایاں خصوصیت کا حامل ہے۔ دیگر شعرا کے کلام کے برعکس نواب صاحب کے کلام میں جو حقیقت سب سے نمایاں ہیں۔ وہ ان کا مخصوص انفرادی رنگ ہے۔ جس میں غالب کی دشوار پسندی، دقت نظر اور فلسفہ نگاری کے باوجود غالب کے انشاء خصوصی یعنی فارس کے نامانوس محاورے، ثقیل ترکیبیں اور عربی کی لغات عربیہ بالکل ناپید ہیں۔ یعنی غالب اور نواب صاحب دونوں کے کلام کو سامنے رکھ کر دیکھئے تو معلوم ہوگا۔ کہ جہاں لطافت زباں اور نزاکت بیاں کا تعلق ہے۔ دونوں میں وہی بعد ہے۔ جو فلسفہء ارتقا کی بنا پر تاریخی حیثیت سے دونوں میں ہونا چاہئے یعنی زندگی کے نئے نئے وسیع اور عمیق اسرار کو بے نقاب کرنے میں دونوں تقریباً مساوی طور پر کامیاب ہوئے ہیں۔ غالب کے دور کی زباں اور اسلوب بیاں سے آج کے نوجوان ناآشنا ہیں۔ لیکن نواب صاحب نے جدید دور کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے خیالات کی عام فہم طریق سے اس طرح ترجمانی کی ہے۔ کہ ان کے شاعرانہ اور ادیبانہ کمال کی بے اختیار داد دینا پڑتی ہے۔ اس طرح ہم بلا تشکیک کہہ سکتے ہیں۔ نواب صاحب موجودہ صدی کے غالب ہیں۔ آیئے ان کے کلام کچھ نمونے دیکھتے ہیں۔ ان کی خوبصورت اور فکر انگیز شاعری کا مزہ لیتے ہیں۔

دم گفتگو جو سماعتوں میں رہی خلش ، مجھے کھا گئی
جو حیا تھی مانع جنبش لب مرتعش ، مجھے کھا گئی
شب و روز یاس و امید کی وہی کشمکش کہ جو تھی سو ہے
تری چشم لطف سے جی اٹھا تری سرزنش، مجھے کھا گئی
طمع بہشت و قصور و حور کے کاروبار میں لٹ گیا
وہ ہوس کہ تھی پیئے اجر لذت بے کشش، مجھے کھا گئی

یہ قیام تھا نہ قعود تھا نہ رکوع نہ سجود تھا
میں کسے بتاؤں کہ بندگی کی یہی روش ، مجھے کھا گئی

نواب صاحب نے اپنی شاعری میں ہمیں بتایا کہ زندگی شعر ہے مگر زندگی کا ہر جذبہ اور ہر بحران شعر نہیں ، صرف ''غم'' شعر ہے تازہ پھول کا حسن شعر کا ایک ادنی مقام ہے مگر مرجھائے ہوئے پھول کی گزری ہوئی رعنائی ، مٹا ہوا رنگ حقیقی شعریت کا ارفع ترین مقام ہے نواب صاحب نفس انسانی کے ارتقااور بعداز موت زندگی پر مکمل یقین رکھتے ہیں جیسے:

کھیل کا خاتمہ بالخیر ہوا چاہتا ہے
آخر شب ہے بس اب پردہ گرا چاہتا ہے
تھی جو اک فصل گل و خار سو وہ بیت گئی
نئے موسم کا اب آغاز ہوا چاہتا ہے
عالم سر خوشی ء آبِ رواں دیدنی ہے
وصل دریا کا سمندر سے ہوا چاہتا ہے

کچھ اور اشعار دیکھتے ہیں

نہ خزاں ہے نہ بہاراں نہ خوشی ہے نہ الم ہے
سفر منزل شب بس یہی دو چار قدم ہے

دو گھڑی کی اور مہلت ہے ذرا جلدی کرو
اتنی فرصت بھی غنیمت ہے ذرا جلدی کرو

جسے گماں تھا جسے یقیں تھا وہ میں نہیں تھا
ابھی ابھی جو یہیں کہیں تھا وہ میں نہیں تھا

نواب صاحب رنگا رنگ طبیعت کے مالک ہیں یہ نہیں کہ ہر پل سنجیدگی اور بردباری ہی طاری رہے ان کی طبیعت میں شوخی اور شرارت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے جہاں بھی موقع ملتا ہے شرارت سے باز نہیں آتے ان کی یہ صفت ان کی شاعری میں بھی نظر آتی ہے۔

کچھ اپنے پیشے کی مجبوریاں تھیں کچھ شرارت
حسینوں سے تعلق زندگی بھر ہم نے رکھا

طلسم حلقہء گلہائے رنگ رنگ میں ہوں
قریب آ مری جاں آج میں ترنگ میں ہوں

عشق ہے آج بھی زندہ تو سبب اتنا ہے
اس سے شادی نہیں کی جس سے محبت تھی مجھے

عہد پیری میں ہر اک بات نئی ہوتی ہے
عشق کرنے کی صحیح عمر یہی ہوتی ہے

نواب صاحب علم کا سمندر ہیں جب وہ اس جہان رنگ و بو کو دیکھتے ہیں دوسری طرف کائنات کی پھیلتی ہوئی وسعتوں کو دیکھتے ہیں تو کبھی تذبذب تو کبھی جستجو تو کبھی حیرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

متذبذب ہوں کہ گلہائے لب تر دیکھوں
یا ان آنکھوں کے پراسرار سمندر دیکھوں

ا

س کی شیریں سخنی کان میں رس گھولتی ہے
دسترس میں ہو وہ آواز تو چھو کر دیکھوں

کبھی عالم وجدان وہ مستقبل میں ہونے والے حادثات کا مطالعہ کرتے ہیں اور یوں گویا ہوتے ہیں۔

کروڑوں سال بعد یہ سوال اٹھایا جائے گا
زمین پر حیات کا وجود تھا بھی یا نہیں

پھر جب انہیں کائناتی شکست وریخت کا ادراک اور آگہی حاصل ہو جاتی ہے تو زندگی سے خوف آنے لگتا ہے ڈر لگنے لگتا ہے۔

میں زندگی سے نہیں آگہی سے ڈرتا ہوں
حریفِ شب ہوں مگر روشنی سے ڈرتا ہوں

شعور ذات ہو مستی ہو ، ہے تو اک آشوب
کبھی خودی سے کبھی بے خودی سے ڈرتا ہوں

خودغرضی محبت خلوص بے وفائی اور دوسرے انسانی رویوں کو نواب صاحب نے بہت قریب سے دیکھا ہے، فرماتے ہیں۔

ملتا ہے جو بھی مجھ سے بڑے احترام سے
کھلتا ہے بعد میں وہ آیا تھا کام سے

پروفیسر نواب نقوی صاحب پاکستان اور ہندوستان کے ادبی حلقوں میں ایک جانا پہچانا نام ہے ان کی وجہ شہرت میر کی سادگی اور روانی، غالب کی اوج فکر، اقبال کی بلند آہنگی، کلاسیکی روایات کے ساتھ ساتھ عصری شعور کا ادراک، زبان و بیان پر کامل دسترس ہے۔ابتدائی

دور میں رومانویت کی چاشنی ہے جوش فیض فراز حفیظ جالندھری اور دیگر معروف شعرا کی صحبتوں سے فیض یاب ہوتے رہے کئی موقعوں پران مرحومین نے کلام کی بہت تعریف کی نواب صاحب شہرت سے دور بھاگتے ہیں انہوں نے بتایا کہ انہوں نے کسی کی شاگردی اختیار نہیں البتہ غالب اور اقبال کو اپنا روحانی استاد مانتے ہیں مشاعروں میں شرکت سے گریزاں رہتے ہیں کیونکہ ان کا خیال ہے یہ ستائش باہمی کی انجمنیں ہیں اور دھڑے بندیوں کی نذر ہوچکی ہیں بقول ان کے شاہین تنہا پرواز کرتا ہے زاغ و زغن کی طرح ٹولیاں بنا کرنہیں آخر میں یہی عرض کروں گا کہ پروفیسر نواب نقوی صاحب نہ صرف ایک اچھے انسان، ایک عالم، ایک مدبر، ایک دانشور اور اس صدی کے عظیم شاعر ہیں وہ جانتے ہیں کہ شعر کیا ہوتا ہے اور شاعری کے زلف پیچاں کو کس طرح سنوارا اور نکھارا جاتا ہے اور الفاظ کے موتیوں کی مالا پروئی جاتی ہے اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ پروفیسر نواب نقوی صاحب ریاست شاعری کے نواب ہیں۔

رانا افتخار احمد ثاقب (سویڈن)

۱۰ جون ۲۰۲۲

استاد محترم محمد بقا بلوچ بگٹی صاحب

محترم بقا بلوچ صاحب کی شاعری کوہساروں سے پھوٹنے والے جھرنے کی طرح ہے۔

نا پیمودہ وسعتوں اور غیر منکشف حقیقتوں کی سرزمین بلوچستان نہ جانے کب سے قدرت کی فیاضیوں کو اپنے فراخ سینے میں مقدس امانتوں کی طرح سنبھالے ہوئے ہے بقا بلوچ کا تعلق ایسی ہی سرزمین سے ہے۔ جو پہاڑوں اور صحراؤں پر مشتمل ہے۔ بقا بلوچ کا طائر خیال ذرا کی ذرا میں ان پہاڑوں اور صحراؤں سے ہمکنار ہوتا اور پھر یوں محسوس ہوتا۔ جیسے وہاں کی فضا اس کے لہجے میں شامل ہوگئی ہے۔

اپنی مٹی سے رہی ایسی رفاقت مجھ کو
پھیلتا جاتا ہے اک ریت کا صحرا مجھ میں

بقا بلوچ بلوچوں کی رومانی داستانیں سناتا تاریخ کھوجتا فلسفہ بگھارتا سیاسی گتھیاں سلجھاتا قبائیلی روایتوں کا تجزیہ کرتا علم و ادب کی بھول بھلیوں میں ڈوبتا ابھرتا ایک پھول کے مضمون کو سو رنگ میں باندھنے کی کوششوں میں مصروف ہوگیا۔ ڈیرہ بگٹی سے کوئٹہ اور پھر لاہور جہاں اب وہ انجنئیر بنے جا رہا ہے۔

ایک الجھن رات دن پلتی رہی دل میں کہ ہم
کس نگر کی خاک تھے کس دشت میں ٹھہرے رہے

ہم بقا ایک ریت کی چادر کو اوڑھے دیر تک
دشت ماضی کے سنہرے خواب میں کھوئے رہے

بقا بلوچ کی شاعری جہتوں کے حوالے سے پہلودار قالب کے حوالے سے پرکشش اور روایت اور جدت کے تعلق سے قابل تحسین ہے کہ اس کا مطالعہ وسیع اور اس کا مشاہدہ زیرک ہے۔اس کی طبیعت میں قسام ازل نے سرشاری تناسب اور حلاوت کے ذائقوں کو یکجا کر دیا ہے وہ غم جاناں کو غم دوراں میں تحلیل کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے اور غم دوراں کو نغمہء لاہوت میں ڈھالنا بھی جانتا ہے۔

اک اداسی پھیل جاتی ہے مرے اطراف میں
شام ہوتی ہے تو بڑھ جاتا ہے اندر کا جنوں
پھر وہی دنیا کے غم ہیں پھر وہی غم ہیں بقا
پھر وہی تشنہ لبی اورآب کوثر کا جنوں

بلوچی کے شاعر جواں سال بگٹی اور اردو کے فقیر بخش بگٹی کے سلسلے سے تعلق رکھنے والا یہ نوجوان عالم وجدان کو شہر طلسمات کا خوبصورت عنوان عطا کرنے والا شاعر ہے۔

شرافت عباس

رئیس شعبہء فارسی
جامعہ بلوچستان کوئٹہ

۲۰ نومبر ۲۰۰۲ء

نعت رسول

چاند نکلا ابھی مدینے میں
آ گئے ہیں نبیؐ مدینے میں

ہو گئی روشنی مدینے میں
کِھل گئی زندگی مدینے میں

آ رہی ہے مہک گلابوں کی
دیدنی ہے خوشی بہاروں کی
بدلی قسمت ہے سوگواروں کی
آپؐ رحمت ہیں دو جہانوں کی

آ گئے ہیں زمین پر تارے
مصطفٰے کی وہ دید کو سارے
اک خدا کی خدائی کے نعرے
یک زباں ہو کے سب نے ہیں مارے

مرحبا مرحبا نبیؐ آئے
رحمتوں کی جھڑی یوں برسائے
ہر مرض کی شفا جو بن جائے
دینِ کامل کا ضابطہ لائے

آؤ اقرار ہم کریں باہم
دینِ کامل پہ ہم چلیں باہم
بھائی بھائی بنے رہیں باہم
زندگی بھر یہی کریں باہم

روشنی کا بدن کیسا چمکتا ہے
میرے اندر سے شعلہ سا لپکتا ہے

کوئی آتش فشاں ہے یا کہ سورج ہے
بے طرح کی حرارت سے دہکتا ہے

خوبصورت بدن کس کا ستاروں کی
کہکشاں میں خِرامی سے مٹکتا ہے

اک زمیں ہے مرے پاؤں جلاتی ہے
ایک سورج مرے سر پر دہکتا ہے

چاند ہے کوئی بادل ہے ستارا ہے
جو یہ اوپر فضا میں یوں لہکتا ہے

بات کوئی اہم ہو گی کہ روزانہ
اک پرندہ مری چھت پر چہکتا ہے

پھول کوئی نیا ہر روز ہی ثاقب
میرے دل کی حویلی میں مہکتا ہے

اک ستارا وسعتِ افلاک میں
ڈھونڈتا ہے اک شرارا خاک میں

بھاگتی ہے یہ زمیں سورج کے گرد
سب ستارے چاند کی ہیں تاک میں

حق پرستی ، حق شناسی ، پختگی
اب کہاں قومِ شہہِ لولاک میں

جو بھی بنتا ہے بگڑ جاتا ہے اب
پختگی ہر گز نہیں ہے چاک میں

جو پہنتے تھے قبائے سیم و زر
اب ہیں لپٹے مٹی کی پوشاک میں

بولتا ہے سچ ہمیشہ روبرو
خوف کیسا مردمِ بے باک میں

اک ادائے دلبرانہ سحر باز
بے نیازی صورتِ چالاک میں

سہل سمجھے تھے اسے ثاقب میاں
عشق نے تو کر دیا دم ناک میں

اندھیرے میں ہر چیز مبہم رہے گی
اجالا کرو گے حقیقت کھلے گی

کھلیں گے سبھی پردے یوں رفتہ رفتہ
نظر حیرتوں میں ہی ڈوبی رہے گی

یہی فلسفہ ہے میاں زندگی کا
محبت کرو گے محبت ملے گی

نہیں ختم ہوتی محبت کی دولت
کرو خرچ جتنی یہ اتنی بڑھے گی

کہاں ڈھونڈتے پھرتے ہو اپنی جنت
تمہیں ماں کے قدموں میں جنت ملے گی

کرو گے جو محنت تو پھل بھی ملے گا
یونہی زندگی کی بھی گاڑی چلے گی

جلاؤ جلاؤ دیئے تم بھی ثاقب
جبھی تو یہ شب کی سیاہی مٹے گی

آنکھ میں تھا اک نظارا
ہائے ہائے دل پکارا

اک نظر سے اک نظر کو
مل گیا ہے اک اشارا

ان کی صورت ہی دکھائے
جبکہ آئینہ ہمارا

ہجر میں اب کر لیا ہے
دھوپ میں جلنا گوارا

نیم شب ہے میں اکیلا
لوٹ آؤ اب خدارا

کشتی ڈوبی پاس آ کر
رو پڑا تھا پھر کنارا

کیوں ہوا خوشبو چرائے
گرچہ گلشن ہے ہمارا

یوں ہوا ثاقب نہ دو تم
پھر بھڑک اٹھے شرارا

چاند کو جیسے نئی منزل دکھائی جا رہی ہے
ایک صورت دل کے اندر ہی سمائی جا رہی ہے

سارا جنگل کاٹ کر بستی بسائی جا رہی ہے
اس طرح سے زندگی مشکل بنائی جا رہی ہے

مور جنگل سے بلا کر سب اکٹھے کر لئے ہیں
دن دہاڑے رقص کی محفل سجائی جا رہی ہے

جی رہا ہوں جی رہا ہوں با خدا میں جی رہا ہوں
میرے یارو قبر میری کیوں کھدائی جا رہی ہے

لے گیا ہے کوئی یوسف کو اٹھا کر جانبِ مصر
پھر کسی چشمِ پدر سے روشنائی جا رہی ہے

جانتے ہیں ایک طوفاں آنے والا ہے یقیناً
اس لئے محنت سے کشتی اک بنائی جا رہی ہے

میں نے ثاقب جو غزل اپنی سنائی تھی زمیں پر
آسماں پر وہ غزل اب گنگنائی جا رہی ہے

جذبہء دل کیسی شوریدہ سری ہے
کوئی مشکل میرے سر پر آ پڑی ہے

سحر آگیں ہے بدن اس کا اگرچہ
لب گلابی آنکھ میں پاکیزگی ہے

کتنی سرعت سے پھلے فصلِ محبت
عاشقی کے بیج میں بالیدگی ہے

ہجر کے گہرے اندھیرے ڈر رہے ہیں
آہِ سوزاں کی تپش میں روشنی ہے

میں سلیقے سے مرتب کر لوں سانسیں
پھر بتاتا ہوں مجھے کیوں بے کلی ہے

اب چلو ہم عشق سے توبہ ہی کر لیں
جل مریں گے عشق ہوتا آتشی ہے

بات ثاقب کرتا ہے سچ کی ہمیشہ
اور پھر کردار میں بھی پختگی ہے

سورہ تکویر انفطار اور اشقاق سے ماخوذ

سب ہی نقشہ زمیں کا بدل جائے گا
اس کے اندر سے لاوا پگھل جائے گا

ٹکڑے ٹکڑے زمیں یوں بکھر جائے گی
ہر شجر جڑ سے اپنی نکل جائے گا

کوہ سارے بکھر جائیں گے ٹوٹ کر
بھاپ میں پھر سمندر بدل جائے گا

کھو دے گا آسماں اپنی طاقت یونہی
اپنی حد سے ستارا نکل جائے گا

یونہی گر جائے گا چاند بھی ٹوٹ کر
پھر وہ گر کر زمیں پر سنبھل جائے گا

ایک دن اپنے محور سے سورج ذرا
گھومتے گھومتے یوں پھسل جائے گا

آئے گا جب یہ سورج زمیں کے قریب
پیٹ پھر اس زمیں کا پگھل جائے گا

پھر فنا ہو کے رہ جائے گی کائنات
آسماں جب زمیں کو مسل جائے گا

پھر جہاں سارا ثاقب بنے گا نیا
اس طرح سے زمانہ بدل جائے گا

سب ہیں انوارِ شبستاں آنکھ میں
چاند ہے اب تک فروزاں آنکھ میں

عشق کا ہے یہ تقاضا ہو سدا
جلوہء جانِ بہاراں آنکھ میں

چشمِ بینا دیکھتی ہے دُور تک
رک گیا جیسے بیاباں آنکھ میں

میرے اندر نُور ہے پھیلا ہوا
خوب چمکے تیری افشاں آنکھ میں

چشم و ابرو اور لب و رخسار سب
یوں سمٹ آیا گلستاں آنکھ میں

اک سمندر دل میں ہے ٹھہرا ہوا
اور رقصاں ایک طوفاں آنکھ میں

دل کو روشن رکھتا ہے ثاقب مرے
میری جاں کا رُوئے نازاں آنکھ میں

آج کُھل کر ہی گفتگو ہو گی
بات ہو گی تو روبرو ہو گی

ہر حقیقت ہر اک پہ کھل جائے
روشنی ایسی کُو بہ کُو ہو گی

نہ زمیں میں اگر ہو زرخیزی
کس طرح بیج کی نمو ہو گی

اُتری ہے اک پری جو آنگن میں
بن پیئے آج ہاؤ ہو ہو گی

سوچتا ہوں کہ اب جواں ہو کر
جانے کتنی وہ خوبرو ہو گی

مِل ہی جائے گی تم کو وہ ثاقب
جو اگر دل میں جستجو ہو گی

چل پڑے ہیں یہ سلسلے کیسے
زندگی سے یوں بھاگتے کیسے

اس کی تقسیم ہی نہیں ہوتی
ذات ہم اپنی بانٹتے کیسے

خود ہی خود کو سُلا دیا ہم نے
خواب میں تھے تو جاگتے کیسے

ہم ہیں جب ایک جان دو قالب
پھر یہ جسموں کے فاصلے کیسے

یہ تو جذبہ ہے سرکشی والا
پھر محبت میں ضابطے کیسے

فیصلہ کر لیا جدائی کا
پھر تعلق یہ رابطے کیسے

آگے دیوار تھی کھڑی ثاقب
اُس طرف کیا ہے جھانکتے کیسے

انوکھا لاڈلا وحشی پرندہ
مجھے پیارا لگا وحشی پرندہ

کنارے دل کے آ بیٹھا کسی دم
نہ پھر دل سے گیا وحشی پرندہ

اگرچہ قید اس کو کر لیا تھا
مجھے ہی لے اُڑا وحشی پرندہ

پہاڑوں کی چٹانوں پر کبھی پھر
درختوں پر ملا وحشی پرندہ

صبا کے دوش پر خوشبو گلوں میں
بکھیرے ہی گیا وحشی پرندہ

حیاتِ عارضی کے اس سفر میں
مرا ساتھی رہا وحشی پرندہ

مجھے اپنے پروں پر ہی اٹھا کر
فلک تک لے گیا وحشی پرندہ

یہی ڈر ہے کہیں ثاقب مجھے پھر
نہ دے نیچے گرا وحشی پرندہ

دل کے اندر ایٹمی کچھ خوبیاں ہیں
اور دلوں میں کیسی کیسی بجلیاں ہیں

اک محبت ہے کہیں اٹکی ہوئی
خون کی گردش میں کچھ دشواریاں ہیں

اس زمیں کی بھی کَشِش باقی نہیں ہے
چاند پر کچھ طاقتیں انجانیاں ہیں

چاند کا گھٹنا کبھی تاروں کا گرنا
آسماں پر بھی بہت بیماریاں ہیں

جبکہ سورج پر حرارت تو بہت ہے
کیا وہاں بھی اُگتی کچھ ترکاریاں ہیں

مرد ہیں کیا سب فرشتے اس جہاں میں
یا کہ پھر اُن میں بھی تھوڑی لڑکیاں ہیں

جب خدا بھی روشنی ہے اور بشر بھی
روشنی میں کیسے پردے درمیاں ہیں

عادتیں کچھ دونوں میں یکساں ہیں ثاقب
کیا بشر میں کچھ خدا کی جھلکیاں ہیں

ابھی گھر سے سورج چلا ہی نہیں
جبھی تو اجالا ہوا ہی نہیں

چمن میں مہک ہے نہ شاخوں پہ گل
اندھیرا ہے گھر میں دِیا ہی نہیں

یہ کیسا مکاں ہے کہ در ہے کھلا
مگر کوئی اندر مِلا ہی نہیں

کہاں سے یہ آئی ہیں پھر مچھلیاں
یہاں پر سمندر تو تھا ہی نہیں

کہا تھا کہ شیشے میں دیکھو ذرا
کوئی چاند اب تک چڑھا ہی نہیں

گیا تھا مَیں مسجد میں کل شب مگر
وہاں پر بھی دیکھا خدا ہی نہیں

میاں زندگی تو ہے جہدِ رواں
سفر خواہشوں کا رُکا ہی نہیں

بہت تیز تھا ناوکِ چشمِ یار
نشاں ثاقب اب تک مِٹا ہی نہیں

دل کے اندر ہے حسن کی تعظیم
اے مری جانِ محترم تسلیم

ذات میں اب نہیں رہی وحدت
زندگی اپنی ہو گئی تقسیم

شاعری تم جدید کرتے ہو
اس کے اندر پرانی ہے تعلیم

پہلے لکھا مجھے محبت ہے
بعد میں کرنی پڑ گئی ترمیم

یہ تلون مزاجیاں توبہ
کیا نہیں تم کو فکرِ نارِ جحیم

بے خبر سو رہے ہو تم ثاقب
سونے والوں کو کب ملی تکریم

دُور سے آتی ہیں آوازیں شکستہ
ہو گئی ہیں دل کی دیواریں شکستہ

مستیء شوقِ نظر میں اک جنوں تھا
ریگِ صحرا سے ہوئیں آنکھیں شکستہ

بوکھلاہٹ اب زباں میں ہو گئی ہے
کیسی باتیں ساری ہیں باتیں شکستہ

عکس سارے دھندلے ہیں اب نظر میں
خوبصورت سب ہیں تصویریں شکستہ

ہو گئی وحشت زدہ اب زندگانی
خواب میں بھی آتی ہیں شکلیں شکستہ

کچھ فسوں کاری ابھی جذبات میں ہے
بڑھ گیا ہے دردِ دل سانسیں شکستہ

جاں گُسل ثاقب ہے یہ صحرا نوردی
آبلہ پا ہوں سبھی راہیں شکستہ

اک صدا آئی ہے روشندان سے
فاختہ گزری ہے روشندان سے

بکھری ہیں زلفیں سنہری صبح دم
اک مہک آتی ہے روشندان سے

پھر تری بانہوں میں کھنکیں چوڑیاں
اک کھنک کھنکی ہے روشندان سے

آتی جاتی خوب ہے تازہ ہوا
سانس بھی چلتی ہے روشندان سے

ایک تتلی آ کے بیٹھی میز پر
اک پری اتری ہے روشندان سے

پھر یہ رسمیں ایک لڑکی کھا گئیں
خود کشی کر لی ہے روشندان سے

آنکھ ثاقب کھل گئی یوں دفعتا
اک کرن چمکی ہے روشندان سے

فلک پر کسی کو بلایا گیا ہے
ستاروں سے اس کو سجایا گیا ہے

عنایات کی ایسی برسات ہو گی
مجھے پیش تر ہی بتایا گیا ہے

ملے گی وہ جنت سنی نہ جو دیکھی
یقیں سے یہ مژدہ سنایا گیا ہے

گرا کر مجھے آسماں سے زمیں پر
مرے سر پہ سہرا سجایا گیا ہے

دلوں کی کدورت مٹے بھی تو کیسے
کہ اک دامِ نفرت بچھایا گیا ہے

بشر اور شرر کا تصادم ہے دنیا
یہ کیسا تماشا لگایا گیا ہے

یہ جنت یہ دوزخ یہ خاکِ پریشاں
خوشی سے غمی سے ڈرایا گیا ہے

مرے یار ثاقب کسے اب ہے فرصت
کٹھن کارِ دنیا بنایا گیا ہے

ایک طوفان آنے والا ہے
رُوٹھ کر کوئی جانے والا ہے

باپ بچوں کو گود میں لے کر
اک کہانی سنانے والا ہے

دو بشر لڑ رہے ہیں موجوں سے
ایک اُن میں بچانے والا ہے

سب تماشائی آ چکے ہیں اب
وہ تماشا دکھانے والا ہے

کیا مقدر ہے اس وطن کا بھی
جو بھی آیا چرانے والا ہے

جو بھی آتا ہے ہم سمجھتے ہیں
راستہ وہ دکھانے والا ہے

اک ستارا زمیں پر ثاقب
آسماں پھر گرانے والا ہے

غم مِلا ہے اور خوشی ہے آگے پیچھے
موت کیا ہے زندگی ہے آگے پیچھے

دل کے اندر کچھ محبت بھی ہے لیکن
کس قدر آوارگی ہے آگے پیچھے

ڈھونڈ کر لائیں کہاں سے ایک سورج
اک دِیا ہے تیرگی ہے آگے پیچھے

پیڑ جانے کس طرف کو جا رہے ہیں
دھوپ چھاؤں چل رہی ہے آگے پیچھے

فِکر میں میری تلاطم خیزیاں ہیں
اک گماں ہے آگہی ہے آگے پیچھے

ایک دریا ایک پل ہے ایک میں ہوں
آگ پانی میں لگی ہے آگے پیچھے

کیسا ثاقب یہ محبت میں نشہ ہے
بے خودی ہی بے خودی ہے آگے پیچھے

ہم اندھیرے کو آزماتے ہیں
تم کہو تو دِیا بجھاتے ہیں

بولنا کیا ہمیں ضروری ہے
بس لبوں کو ذرا ہلاتے ہیں

دن گزرتا ہے رات ہوتی ہے
یاد رکھتے ہیں بھول جاتے ہیں

گرچہ اظہار تو نہیں کرتے
دل ہی دل میں وہ گنگناتے ہیں

ان سے کچھ بھی چھپا نہیں سکتے
بات دل کی وہ جان جاتے ہیں

جس جگہ راج تھا خزاؤں کا
اب وہاں پھول مسکراتے ہیں

مِل نہ جائے وہ پھر کہیں ثاقب
دوسرے راستے سے جاتے ہیں

عشق محصور تھا رِہا نہ ہُوا
وہ حسیں بُت مگر خدا نہ ہُوا

اک حیا تھی رسیلے ہونٹوں پر
جذبۂ عشق بے حیا نہ ہُوا

عشق مارا گیا تکلف میں
حُسن کا پھر بھی کچھ بھلا نہ ہُوا

میرے مرنے پہ لوگ کہتے ہیں
عاشقی کا بھی حق ادا نہ ہُوا

یہ بہت اُستوار تھا رشتہ
جسم جاں سے کبھی جدا نہ ہُوا

ہم تھے جذبات کی غلامی میں
وہ خدا ہو کے بھی خدا نہ ہُوا

اس نے وعدہ تو کر لیا ثاقب
دیکھتے ہیں وفا ہوا نہ ہوا

گر خودی کی نمو نہیں ہو گی
زندگی سُرخرو نہیں ہو گی

آخرت کچھ الگ سی دنیا ہے
زندگی ہوبہو نہیں ہو گی

کارِ پیہم سرشت میں ہی نہیں
قوم یہ سُرخرو نہیں ہو گی

کیسے مل سکتی ہے تجھے منزل
گر تجھے جستجو نہیں ہو گی

بات کیا جب دلیل کچھ بھی نہیں
آپ سے گفتگو نہیں ہو گی

اب تجھے آرزو نہیں میری
تیری بھی آرزو نہیں ہو گی

سب ہی موسم بدل گئے ثاقب
اب زمیں میں نمو نہیں ہو گی

صحن میں گرچہ چاندنی ہے بہت
پھر بھی کیوں دل میں تیرگی ہے بہت

رات دن بھاگتی ہے اس سے دُور
موت سے ڈرتی زندگی ہے بہت

گاؤں سے شہر کو ملانا ہے
ایک پگڈنڈی بھاگتی ہے بہت

جانے کیوں ساتھ والی کھڑکی سے
اک پری روز جھانکتی ہے بہت

کیا پتہ کب کسی پہ آ جائے
دل تو اپنا شرارتی ہے بہت

کل کو کیا ہو؟ نہیں خبر ثاقب
آج کل اس سے دوستی ہے بہت

عشق آہ و فغاں کا قصہ ہے
اک غمِ جاوداں کا قصہ ہے

ہم اِدھر دل کو ہار بیٹھے ہیں
اور ادھر ناں یا ہاں کا قصہ ہے

ہجر کا کرب کیا بیاں کیجے
سارا وہم و گماں کا قصہ ہے

یاد آتی ہے دم بہ دم اُن کی
یہ کسی گلستاں کا قصہ ہے

اس زمیں پر تھے آدم و حوا
یہ کہاں آسماں کا قصہ ہے

کچھ ہے ابلیس کی بغاوت کا
کچھ ملائک کی ہاں کا قصہ ہے

ہوئی تقسیم زندگی ثاقب
کچھ یہاں کچھ وہاں کا قصہ ہے

ایک ڈر ہے ہر اس ہے میرا
لگتا ہے دل اداس ہے میرا

خواہ مخواہ یوں اُچھلنے لگتا ہے
کیوں یہ دل بد حواس ہے میرا

کیا یہ سچ مچ تری محبت ہے
یا فقط یہ قیاس ہے میرا

سچ ہے کہ میں لباس ہوں اُس کا
اور وہ بھی لباس ہے میرا

دُور سے چل کے آیا ہوں جیسے
جبکہ گھر آس پاس ہے میرا

شاعری میں ذرا سی شوخی ہے
جبکہ لہجہ اداس ہے میرا

خوش لباسی یا بے لباسی کیا
جب بدن ہی لباس ہے میرا

چھوڑ دو اب مجھے اکیلا سب
آپ سے اِلتماس ہے میرا

آئینے میں جو دیکھا ہے ثاقب
عکس کیا اِلتباس ہے میرا

اک سفر عمرِ جاودانی تک
جو مکاں سے ہے لامکانی تک

موت آئے اٹھا کے لے جائے
مجھ کو جانا ہے زندگانی تک

آدمی کی بساط ہے اتنی
جسم میں خون کی روانی تک

درمیاں پل صراط ہے جیسے
خوش گمانی سے بد گمانی تک

کیسے اڑتی ہے پر لگا کر بات
ایک سے دوسری زنانی تک

لمحہ لمحہ تری محبت ہے
بچپنے سے تری جوانی تک

کرچی کرچی بدن سمیٹا ہے
بات پہنچی ہے تب کہانی تک

قطرہ قطرہ سفر میں ہوتا ہے
دریا میں دریا کی روانی تک

ایک لمحے میں طے کیا ثاقب
فاصلہ لفظ سے معانی تک

درد آنکھوں میں بس گیا یارو
پھر وہ ہرگز نہ چھپ سکا یارو

اپنے ہاتھوں سے کاٹ دیں شاخیں
پھر شجر وہ نہ پھل سکا یارو

ایک تارا ابھی فلک پر تھا
پھر نہ جانے کدھر گیا یارو

کچھ تو ہو گی یہاں مری قیمت
مَیں نہیں ہوں گرا پڑا یارو

شربتی آنکھوں میں نمی تھی کچھ
دل کا پاؤں پھسل گیا یارو

چلتے چلتے یونہی وہ دیوانہ
عشق دلدل میں گر پڑا یارو

کیوں ہیں سب میری جان کے دشمن
ماسوا عشق کیا کِیا یارو

راہ میں سنگِ میل ہوں ثاقب
مجھ کو رہنے دو یاں کھڑا یارو

بہت ہی کم میں اپنے گھر رہا ہوں
زیادہ جسم سے باہر رہا ہوں

دھویئں میں زندگی برباد ہو گی
میں ہر اک سانس جی کر مر رہا ہوں

کھڑا ہوں بیچ میں دریا کے تنہا
مگر جیبوں میں پانی بھر رہا ہوں

مرے پاؤں سے لپٹی ریت کتنی
میں سارا دن سمندر پر رہا ہوں

بلانا ہے ابھی سورج کو گھر پر
جبھی گھر میں اندھیرا کر رہا ہوں

مری آغوش میں ہے چاند میرا
دیئے کی روشنی سے ڈر رہا ہوں

محبت میں وفا جس نے نہیں کی
اسی کا دم میں ثاقب بھر رہا ہوں

بادِ صرصر جب چلی کچے مکاں کے در کھلے
آہ جو ابھری زمیں سے آسماں کے در کھلے

اس زمیں پر ہر طرف اب خون ہی بہنے لگا
ظلم جب حد سے بڑھا تو لامکاں کے در کھلے

کتنی مشکل ہیں شعور و فکر کی یہ منزلیں
آگہی کی حد سے گزرے تو گماں کے در کھلے

رفتہ رفتہ اٹھ گئے ہر اک حقیقت سے نقاب
موت کی وادی سے گزرے دو جہاں کے در کھلے

ثاقب امیدوں کے جب سارے دیئے بجھنے لگے
پھر اچانک رحمتِ کون و مکاں کے در کھلے

چل رہے ہیں کیسے کیسے سلسلے
بے سبب ہوتے نہیں ہیں رابطے

دل ہمارا اب ترے ہاتھوں میں ہے
پاس رکھ لے یا سڑک پر پھینک دے

کیسی شرطیں کیسے وعدے جانِ من
عشق میں ہوتے نہیں ہیں ضابطے

کٹ رہے ہیں راستے بھی ساتھ ساتھ
بڑھ رہے ہیں کیوں دلوں میں فاصلے

برف آخر کچھ تو پگھلے اس طرح
دل میں میرے آگ ہے آ تاپ لے

چل رہے ہیں اُلٹے قدموں سے مگر
ہے گماں کہ کٹ رہے ہیں راستے

جیسے ثاقب چاند ہے بس ایک ہی
ایک ہی عاشق ہے تیرا جان لے

دل بھی گھبرانے لگا ہے دھڑکنوں کے شور میں
آدمیت گم ہوئی ہے سازشوں کے شور میں

محورِ مذہب میں کیا ہے دائرے ہی دائرے
زندگی یوں پھنس گئی ہے دائروں کے شور میں

آ گئے ہیں وہ بشر کے اور خدا کے درمیاں
کچھ سمجھنا بھی ہے مشکل واعظوں کے شور میں

زلفِ جاناں کی طرح ہر بات ہے الجھی ہوئی
اس قدر پیچیدگی ہے الجھنوں کے شور میں

جنگ کی کوئی ضرورت اب نہیں ہے جان لو
لوگ یوں بھی مر رہے ہیں آفتوں کے شور میں

بِین کی آواز بھی کچھ کام پھر نہ آ سکی
ایک جوگی گِھر گیا ہے ناگنوں کے شور میں

کچھ ہَوا کا زور بھی چلتا نہیں ہے آج کل
کتنا بے بس ہے سمندر ساحلوں کے شور میں

اَبر ایسے چھا گئے ہیں بے وفائی کے یہاں
اب محبت کھو گئی ہے حادثوں کے شور میں

ہر طرف تاریکیوں کا شور ثاقب ہے سنو
ہر حقیقت چھپ گئی ہے فاسقوں کے شور میں

دوغزلہ

کہیں پردہ کہیں بے پردگی ہے
اندھیری شب میں کچھ تو روشنی ہے

وہی ملتا نہیں جو چاہتے ہیں
محبت میں عجب بے چارگی ہے

بہت ہی خوبصورت ہے وہ لڑکی
ذرا سا بانکپن ہے سادگی ہے

ہے کاجل آنکھ میں ہونٹوں پہ لالی
بدن گورا ہے ساڑھی کاسنی ہے

محبت وہ بہت کرتی ہے مجھ سے
مگر ہاں آج کل ناراضگی ہے

نہیں ہے یہ زبانی یا کلامی
میاں بیوی کا رشتہ کاغذی ہے

یہ دل رہتا ہے کیوں ہر پل ہی پیاسا
محبت میں یہ کیسی چاشنی ہے

محبت چھوڑ دی ہے میں نے ثاقب
یہ دنیا آخرش کیا چاہتی ہے

وہی کرتا ہوں جو تیری خوشی ہے
عبادت ہے یہ میری بندگی ہے

یہی مقصد ہے میری زندگی کا
تو ہی میرا جنوں ہے شاعری ہے

یہ دن تو کٹ گیا ہے جیسے تیسے
وہ کیا ہے بات ساری رات کی ہے

جنوں ہے عشق ہے آتش فشانی
محبت میں حسیں وارفتگی ہے

ابھی تو دیر ہے کچھ فیصلے میں
ابھی کچھ کر لو مہلت مل گئی ہے

ابھی پھر آ گیا ہے موسمِ گل
چمن مہکا گلوں میں تازگی ہے

بہت مغرور ہوتے جا رہے ہو
سرا سر یہ خدا کی ہم سری ہے

بظاہر ٹھیک ہی لگتے ہو ثاقب
مرض تیرا یقیناً باطنی ہے

اک نظر میں آشنائی ہو گئی
ساری دنیا پھر پرائی ہو گئی

چاند نکلا تھا ذرا سی دیر کو
کس قدر دیکھو دہائی ہو گئی

اُس نے پہنا چھلا میرے نام کا
زندگی اپنی پرائی ہو گئی

مَیں نے بولا مجھ کو تم سے پیار ہے
ساری نیکی پھر برائی ہو گئی

ہم ہمیشہ سے وفا کے داعی تھے
کیوں نہ جانے بے وفائی ہو گئی

کتنے خوش تھے ساتھ میں دونوں مگر
پھر اچانک سے لڑائی ہو گئی

بے وفائی ہم سے کی تو نے مگر
دوسرے کی تو بھلائی ہو گئی

کیسا ثاقب وہ نشہ تھا حسن کا
دور ہم سے پارسائی ہو گئی

ہر کوئی سامنے سے ڈرتا ہے
جو ہے چھوٹا بڑے سے ڈرتا ہے

جو کنارے پہ رُک گیا ہے وہ
آدمی ڈوبنے سے ڈرتا ہے

کاٹ کر آگ میں جلا دیں گے
ہر شجر سوکھنے سے ڈرتا ہے

کون ہے ادھ کُھلی سی کھڑکی میں
چاند بھی جھانکنے سے ڈرتا ہے

مٹ سکے گی برائی پھر کیسے
جو ہے اچھا بُرے سے ڈرتا ہے

کتنے برسوں سے سو رہا ہے یہ
اور اب جاگنے سے ڈرتا ہے

لوگ کیوں ہیں گریز پا ثاقب
ہر کوئی دل جلے سے ڈرتا ہے

ہونے والا کوئی تماشا ہے
آنکھ پھڑکی ہے دل بھی دھڑکا ہے

سوچتا ہوں جدا کروں کس کو
جاں بھی تیری ہے دل بھی تیرا ہے

وہ جو حاسد ہے اس کو کیا کہیئے
اپنے اندر ہی جلتا رہتا ہے

شاعری ہو یا پھر سیاست ہو
سب ہی کا فیس بک پہ چرچا ہے

کُھل رہے ہیں زمین کے پردے
راز پھر کوئی آشکارا ہے

ہل رہی ہے زمین اندر سے
زلزلہ کوئی آنے والا ہے

روز ملتی ہے مٹی پانی سے
روز ہی کچھ نیا سا بنتا ہے

وہ جو بیٹھا ہے راہ میں ثاقب
وہ کہیں بھی نہ جانے والا ہے

مل گیا دانہ پرندہ خوش ہوا
پیٹ بھر کھایا پرندہ خوش ہوا

اک شکاری آ کے بیٹھا تاک میں
اُڑ گیا اونچا پرندہ خوش ہوا

اُڑتے اُڑتے آسماں کو چھو لیا
دیکھ کر تارا پرندہ خوش ہوا

تھک کے بیٹھا سانس لینے شاخ پر
نغمہ پھر گایا پرندہ خوش ہوا

پیار سے میں نے بلایا جب اسے
میرے پاس آیا پرندہ خوش ہوا

مَیں نے ہاتھوں میں اٹھایا پیار سے
خوش ہوا اتنا پرندہ خوش ہوا

ہو گئی ثاقب محبت اب مجھے
کچھ نہیں چارہ پرندہ خوش ہوا

کیا ہُوا کوئی معجزہ ہے کیا
تیرا دل بھی دھڑک رہا ہے کیا

کیوں چھلکنے لگا کناروں سے
دل محبت سے بھر گیا ہے کیا

تیرا سجدہ ہے سجدہء بے ذوق
اس طرح بھی خدا ملا ہے کیا

راستے میں کھڑے ہو تُم یونہی
راستہ بھی کبھی چلا ہے کیا

کن خیالوں میں گم ہے دیوانہ
جاگتے میں بھی سو رہا ہے کیا

اے شجر کر رہا ہے کیوں سایہ
دُھوپ سے تجھ کو کچھ گِلہ ہے کیا

دل سمندر ہے پُر سکوں ثاقب
کچھ بتاؤ یہ ماجرا ہے کیا

مرا دل مری جاں سلامِ محبت
مرے دل کے مہماں سلامِ محبت

یہ ہر سُو جو پھیلی ہے خوشبو مہکتی
بہارِ گلستاں سلامِ محبت

یہ فطرت نظارے پرندوں کے نغمے
نہ سمجھا ہے انساں سلامِ محبت

روانی سے چلتے یہ دریا یہ نہریں
خراماں خراماں سلامِ محبت

زمیں آسماں بھی یہ سورج ستارے
ہے ان کا بھی ارماں سلامِ محبت

یہ صحرا چٹانیں سمندر میں طوفاں
یہ جنگل بیاباں سلامِ محبت

خدا کی خدائی یہ جنت فرشتے
یہ حُوریں یہ غلماں سلامِ محبت

کتابیں یہ کاغذ قلم میز کرسی
یہی میرا ساماں سلامِ محبت

یہ چڑیاں یہ بلبل سبھی ہم نوا ہیں
ہے ثاقب غزل خواں سلامِ محبت

انہی کے نقش پا کے یہ نشاں ہیں
ستارے آسماں در آسماں ہیں

فقط اک چاند تارا دیکھتے ہو
بہت سے چاند تارے آسماں ہیں

ہماری زندگی اپنی نہیں ہے
کئی رشتے ہمارے درمیاں ہیں

وہ ڈسنے کے مواقع ڈھونڈتے ہیں
خداوندا یہ کیسے مہرباں ہیں

یہ زخموں کے نشاں ہرگز نہیں ہیں
مرے دل پر محبت کے نشاں ہیں

برابر مرد و زن کا اب ہے رشتہ
حسینوں کی ادائیں اب کہاں ہیں

کوئی چارہ کرو ثاقب چمن کا
ابھی دشمن تمہارے باغباں ہیں

جب سے دیکھا ہے حیرانی نہیں جاتی
میرے دل سے وہ استانی نہیں جاتی

بس گئی ایک ہی صورت مرے دل میں
آنکھ سے بس وہ مستانی نہیں جاتی

جان اس سے چھڑانا چاہتا ہوں میں
دل محلے سے مر جانی نہیں جاتی

اُڑ گئیں تتلیاں ساری مگر یارو
ایک وہ تتلی ملتانی نہیں جاتی

ہر کسی پر ہی آ جاتا ہے یہ کم بخت
کیا کریں دل کی نادانی نہیں جاتی

جب سے وہ خوبرو رخصت ہوئی ہے بس
اس گلی کی تو ویرانی نہیں جاتی

اب تو ہر چیز مہنگی ہو گئی لیکن
بس محبت کی ارزانی نہیں جاتی

آئینہ اس طرح سے ٹوٹا ہے ثاقب
اپنی صورت ہی پہچانی نہیں جاتی

خلیفہ بنانے کا سوچا گیا تھا
فرشتوں کو اُس دم بلایا گیا تھا

زمیں کو ضرورت تھی اک رہنما کی
مرا نام ہی پھر پکارا گیا تھا

فرشتوں کو ڈر تھا بشر ہے فسادی
یہ سر کش بنے گا ڈرایا گیا تھا

اسی سے تو ہو گی نمود اِس جہاں کی
خدا کو یقیں تھا بتایا گیا تھا

برستی تھی رحمت خدا کی زمیں پر
بشر کو زمیں پر اتارا گیا تھا

گھٹائیں یہ دریا کہیں آبشاریں
یہ پھل اور سبزہ اگایا گیا تھا

فلک پر یہ سورج یہ چاند اور ستارے
جہاں روشنی سے سجایا گیا تھا

مہکتے گلوں کو ملی ایسی خوشبو
چمن کو مہک میں بسایا گیا تھا

مگر سوچتا ہوں میں ثاقب یہ دل میں
یہ شیطان پھر کیوں بنایا گیا تھا

جب کلی کی لب کشائی دیکھ لی
ہم نے رب کی کبریائی دیکھ لی

گُھپ اندھیرے میں یوں گم تھا راستہ
کوہ سے پھر روشنائی دیکھ لی

کچھ یونہی بلبل نہیں عاشق ہوا
پھول کی جب خوش نمائی دیکھ لی

کد تھا اس کو میری ہر اک بات سے
ہم سفر کی ہم نوائی دیکھ لی

دیکھنی تھی اس کی صورت ایک دن
اس نے جب چلمن اٹھائی دیکھ لی

جب کُھلے بندِ قبا تو یوں لگا
ہم نے جیسے کُل خدائی دیکھ لی

ہم نے جی بھر دیکھ لی ہے اب میاں
دیکھ لی دنیا پرائی دیکھ لی

ہر تعلق ہی ہے ثاقب عارضی
ہونی آخر تھی جدائی دیکھ لی

حُسن ہو گا جوانیاں ہوں گی
عشق کی پھر کہانیاں ہوں گی

سنتے آئے ہیں عشق کے قصے
بس یہ فرضی کہانیاں ہوں گی

دل کسی کو ذرا سخاوت کر
خوب تر کامرانیاں ہوں گی

بے طرح خوش گماں رہیں گے ہم
اُن کو بھی خوش گمانیاں ہوں گی

پھول کھلنے لگے محبت کے
کس قدر شادمانیاں ہوں گی

دن بھی پھر عید کی طرح ہوں گے
اور راتیں سہانیاں ہوں گی

ہم کہاں یوں بدلنے والے تھے
آپ کی مہربانیاں ہوں گی

ہو محبت کہ دل لگی ثاقب
صورتیں ناگہانیاں ہوں گی

کبھی گُل سے کبھی باتیں صبا سے
میں اپنے دکھ چھپاتا ہوں ہَوا سے

مَیں روتا ہوں گلے مل کر شجر سے
خوشی ملتی ہے تتلی کی ادا سے

چراغوں سے یہ مَیں نے کہہ دیا ہے
ابھی ڈرنا نہیں ہر گز ہَوا سے

ہے اس خالی مکاں میں ہُو کا عالم
میں ڈر جاتا ہوں ہلکی سی صدا سے

اُدھر تو خامشی ہی خامشی ہے
مَیں کیا باتیں کروں ایسے خدا سے

خوشی کیا دیتا جنت کا یہ وعدہ
ڈرایا بس گیا مجھ کو سزا سے

کہاں تھے تم ضرورت تھی مجھے جب
ابھی مت دو مجھے جھوٹے دلاسے

مزہ ہے بے وفائی میں بھی ثاقب
مجھے لینا ہے کیا شہرِ وفا سے

پھر پرانے وہی بہانے ہیں
جُھوٹے وعدے یونہی نبھانے ہیں

لب سے لب مل گئے تو کیا حاصل
دل سے دل اب ہمیں ملانے ہیں

رفتہ رفتہ چُھپے ہوئے دل میں
راز سارے اُنہیں بتانے ہیں

اب محبت وفا نہیں کچھ بھی
سب نیا ہے نئے زمانے ہیں

خود ہی برباد کر رہے ہیں ہم
اس زمیں میں بہت خزانے ہیں

روشنی ایک سے نہیں ہو گی
اب بہت سے دِیئے جلانے ہیں

گرچہ ثاقب بدل گیا سب کچھ
رشتے اب تک وہی پرانے ہیں

عشق میں سُود و زیاں کچھ بھی نہیں
کوئی شک ہے نہ گماں کچھ بھی نہیں

دل کی منزل گم ہوئی جانے کہاں
کچھ یہاں پر اور وہاں کچھ بھی نہیں

جل رہی ہے آتشِ دردِ فراق
آگ ہے لیکن دھواں کچھ بھی نہیں

اس زمیں پر ہے ، تماشا جو بھی ہے
اور دُرونِ آسماں کچھ بھی نہیں

ڈھونڈتے ہو تم فلک پر زندگی
چاند تارے کہکشاں کچھ بھی نہیں

جانتا ہوں خوبصورت ہے جہاں
ماسوا انساں جہاں کچھ بھی نہیں

علت و معلول کا رشتہ سمجھ
سچ یہی ہے ، ناگہاں کچھ بھی نہیں

زندگی کا تو مسلسل ہے سفر
یہ جہاں یا وہ جہاں کچھ بھی نہیں

دل ہے ثاقب اس کا مسکن باخدا
اک مکاں ہے لامکاں کچھ بھی نہیں

ہو کے رہتی ہے جو کہ ہونی ہے
عشق ہر حال میں تکونی ہے

پھر کسی گُل بدن کی ہے خوشبو
اپنے دامن میں اب سمونی ہے

اب جنازہ اُٹھا محبت کا
لاش اپنے ہی سَر پہ ڈھونی ہے

دوستو زندگی کی اب کشتی
سوچ لو کس طرح ڈبونی ہے

فخر قد پر بہت ہی کرتے ہو
قَد تو لمبا ہے ذات بونی ہے

جو بھی دولت کمائی ہے ثاقب
اپنے ہاتھوں سے ہم نے کھونی ہے

اس زمیں آسمان کے صدقے
میری جاں میری جان کے صدقے

سَر کٹا دیتے ہیں محبت میں
عشق کے خاندان کے صدقے

کھا رہے ہو مزے سے تم روٹی
مل گئی جو کسان کے صدقے

چاروں جانب مہک اسی کی ہے
مَیں اسی کے جہان کے صدقے

ہر جگہ ہر گلی مدینے میں
پاؤں کے اس نشان کے صدقے

جان قربان ہے مری ثاقب
اک حسیں مہربان کے صدقے

جو دل میں ہے بتانے کے لئے ہے
مگر کچھ تو چھپانے کے لئے ہے

انوکھے چور ہو گھبرا رہے ہو
ہمارا دل چرانے کے لئے ہے

ابھی تو بس یہ ٹوٹا دل ہمارا
عجائب گھر سجانے کے لئے ہے

نہ آنے کا بہانہ کر رہے ہو
سڑک تو آنے جانے کے لئے ہے

ہے سائے کے لئے جب تک ہَرا ہے
شجر سوکھا جلانے کے لئے ہے

ٹپکنے لگتا ہے بارش میں جھٹ پٹ
مکاں تو سَر چھپانے کے لئے ہے

جدائی کی نہ ثاقب بات کرنا
تعلق تو نبھانے کے لئے ہے

جو کُھلا تھا چھپا دیا لوگو
پھر وہ پردے میں ہی رہا لوگو

ہاتھ آنکھوں پہ رکھ لیئے ہم نے
نُور ہی نور تھا کُھلا لوگو

قربِ منزل تو خیر مشکل ہے
راستہ مل نہیں رہا لوگو

کب جلاؤ گے تم چراغوں کو
اب تو سورج بھی ڈھل گیا لوگو

جو ہے اعمال کا نتیجہ ہے
مت خدا سے کرو گلا لوگو

بھاگتے کیوں ہو پیچھے باطل کے
کیا حقیقت ہے سوچنا لوگو

ہم نے جو شوق سے لگایا تھا
وہ شجر بے ثمر رہا لوگو

راستے پر خدا کے چل دیکھو
پھول بکھریں گے جا بجا لوگو

فیصلہ جو بھی کرنا ہے کر لو
وقت بس ہے گنا چنا لوگو

سانس روکے کھڑا ہوں مَیں ثاقب
وہ نہ آیا تو مَیں چلا لوگو

جو مِلا ہے اُس سے بہتر مانگتے ہیں
جتنے دریا ہیں سمندر مانگتے ہیں

اب ذرا دیکھو محبت کی بھی قیمت
دل کے بدلے میں وہ دلبر مانگتے ہیں

گرمیوں میں ٹھنڈی ٹھنڈی سی ہوائیں
سردیوں میں گرم بستر مانگتے ہیں

مطمئن وہ حال پر اپنے نہیں ہیں
مانگ میں اپنی وہ اختر مانگتے ہیں

کاٹتے وہ جا رہے ہیں پیڑ سارے
اور پھر سایہ بھی سر پر مانگتے ہیں

بے حسی ایسی صدائے العطش پر!
پھر خدا سے آبِ کوثر مانگتے ہیں

ہے بہت مشکل کمانا خود سے ثاقب
آسماں سے آئے لنگر مانگتے ہیں

کام کرتے نہیں دہائی ہے
ہم نے بس گرد ہی اڑائی ہے

اپنا سورج تلاش کیا ہوتا
دھوپ بھی غیروں کی چرائی ہے

دل کے باہر ہے مختصر دنیا
دل کے اندر ہی سب خدائی ہے

زندگی بھر یہی کیا ہم نے
دوستی دشمنی نبھائی ہے

شہر سے دشت میں چلے آئے
اپنی دنیا کہاں بسائی ہے

یوں تو کہنے کو ہم بہادر ہیں
ہر جگہ بزدلی دکھائی ہے

کہنے کو تھا ہی کچھ نہیں ثاقب
یوں ہی اک بات سی بنائی ہے

کبھی ہنستے کبھی روتے رلاتے ہیں
محبت میں پسینے چُھوٹ جاتے ہیں

نصیحت کی مجھے باتیں بتاتے ہیں
دیا اپنا وہ سورج کو دکھاتے ہیں

عجب سی خواہشیں دل میں ابھرتی ہیں
چلو تصویر پانی پر بناتے ہیں

انہیں آزاد کرکے ہم نے دیکھا ہے
کبوتر پھر قفس میں لَوٹ آتے ہیں

ذرا دیکھیں تڑپتا چاند ہے کیسے
ستاروں کو ابھی نیچے بلاتے ہیں

تلاطم ہے جو دریا میں تو پھر ثاقب
ابھی خشکی پہ ہم کشتی چلاتے ہیں

کام پورا کبھی ہُوا ہی نہیں
سچ تو یہ ہے کہ کچھ کیا ہی نہیں

کیسے ہوتی دعا قبول مری
جب لبوں پر کوئی دعا ہی نہیں

اس زمیں پر ہیں آفتیں ساری
اس زمیں پر کہیں خدا ہی نہیں

ہوں مکیں تو مکان ہوتا ہے
لا مکاں میں کوئی رہا ہی نہیں

ڈھونڈتا پھر رہا ہوں گھر اس کا
پاس میرے مگر پتا ہی نہیں

چاند پھر کیسے آ گیا چھت پر
جبکہ سورج ابھی ڈھلا ہی نہیں

اس کو مجھ پر بہت بھروسہ تھا
راز وہ کیا تھا جو کُھلا ہی نہیں

مان لیں وہ بہت حسیں لیکن
دلربا کیسی جب ادا ہی نہیں

کہیں کوئی شرارت ہو گئی ہو گی
انہیں مجھ سے محبت ہو گئی ہو گی

ابھی جو بڑھ گئی ہے خون کی گردش
ذرا دل کو سہولت ہو گئی ہو گی

گلابوں کی مہک ہر چار سو بکھری
چمن میں اک قیامت ہو گئی ہو گی

مجھے کیا ہو گیا ہے ہِل نہیں سکتا
مری جاں مجھ سے رخصت ہو گئی ہو گی

مجھے کیوں کر بُلایا ہے مَیں حیراں ہوں
اُنہیں میری ضرورت ہو گئی ہو گی

پلٹ کر آ گئے ہیں راستے سے وہ
انہیں شاید ندامت ہو گئی ہو گی

سکوتِ بے نشاں ثاقب ہے جیون میں
یقیناً دل کو وحشت ہو گئی ہو گی

کیسا یارو اب زمانہ آ گیا
چاند بھی ہم کو چرانا آ گیا

ہو گیا کتنا مہذب آدمی
دوسروں کا دل دکھانا آ گیا

چوم کر جس دم گئی موجِ نسیم
ہر کلی کو کھلکھلانا آ گیا

ساقیا تیری ضرورت اب نہیں
خود ہمیں پینا پلانا آ گیا

اس جنونِ عشق کا حاصل یہ ہے
تیری یادوں کو بُھلانا آ گیا

ہم قدم میرے ! توقف کر ذرا
یار کا اب آستانہ آ گیا

پے بہ پے وہ غم ملے ثاقب کہ اب
درد سہہ کر مسکرانا آ گیا

خالی گھر کا ایک دروازہ کھلا تھا
چھت کے اوپر ایک سایہ پھر رہا تھا

راہ میں طوفانی بارش آ گئی تھی
نصف شب تھی اور گھر سے چل پڑا تھا

اس طرح سے مل رہے تھے ملنے والے
درمیاں میں دو قدم کا فاصلہ تھا

مل سکے نہ دو محبت کرنے والے
پھر خدا بھی تو یہی کچھ چاہتا تھا

سب ہی سجدہ ریز تھے بس اس کے آگے
پانیوں پر عرش تھا اس پر خدا تھا

اس نے مجھ سے یہ کہا اب خوش رہو تم
میرا جنت میں مگر جی نہ لگا تھا

آخر ایسا کیا ہوا ثاقب کہ تم نے
ہر خوشی سے کیوں کنارا کر لیا تھا

خواب سارے بکھرتے رہتے ہیں
دیکھنے والے ڈرتے رہتے ہیں

اِس جہاں کی ہے رسمِ دیرینہ
لوگ آتے ہیں مرتے رہتے ہیں

آئینے کے وہ سامنے دن بھر
کیسے کیسے سنورتے رہتے ہیں

لوگ جو سُست ہوتے ہیں ہر پل
خواہ مخواہ آہیں بھرتے رہتے ہیں

کیا کہیں قصہء وصال و فراق
جیتے رہتے ہیں مرتے رہتے ہیں

جو بھی پتے شجر سے گِر جائیں
جابجا وہ بکھرتے رہتے ہیں

بولتے ہیں جو جھوٹ پھر ثاقب
دل ہی دل میں وہ ڈرتے رہتے ہیں

خوبصورت زندگانی ہو رہی ہے
دل کے اندر گل فشانی ہو رہی ہے

فصلِ گل ہے پھر چمن میں پھیلی خوشبو
پھر مرتب اک کہانی ہو رہی ہے

سارا دن ہم تھے سمندر کے کنارے
رات بھی کتنی سہانی ہو رہی ہے

چل رہی ہیں آخری سانسیں ہماری
اب محبت جاودانی ہو رہی ہے

کہہ رہے ہیں مل نہ پائیں گے کبھی پھر
ان کی ہم پر مہربانی ہو رہی ہے

اک غزل پھر آ رہی ہے یوں مچلتی
پھر گماں میں ضو فشانی ہو رہی ہے

ہاتھ پاؤں جلد ہی تھکنے لگے ہیں
ختم جیسے اب جوانی ہو رہی ہے

بس سند کوئی نہیں ہے پاس ان کے
بات ساری منہ زبانی ہو رہی ہے

ہو گئی مدت بشر کو اس زمیں پر
داستاں ثاقب پرانی ہو رہی ہے

خوبرو کی خوش گمانی اور ہے
تختِ دل کی حکمرانی اور ہے

چشمِ نم میں گرم پانی اور ہے
آج دریا کی روانی اور ہے

اک ہوا تھا معجزہ بھی طُور پر
ہاں مگر اب لن ترانی اور ہے

تُو ہے میری جانِ جانی جانِ جاں
دل میں میرے اک زنانی اور ہے

وہ لڑکپن کی جوانی تھی میاں
اب ضعیفی میں جوانی اور ہے

شور کچھ ایسا مچاتی ہے ہوا
بادلوں کی بد زبانی اور ہے

موت سے بھی سلسلہ رکتا نہیں
ایک آگے زندگانی اور ہے

ہیں روایت کی کتابیں تو بہت
ایک نسخہ آسمانی اور ہے

یار ثاقب ہے یہ گھر بھی عارضی
اک ابھی نقلِ مکانی اور ہے

خواب سارے بکھر گئے یارو
چڑھتے دریا اُتر گئے یارو

جو نشاں تھے ہماری منزل کے
راستے وہ کدھر گئے یارو

کر گیا وہ بہت بڑی سازش
ہم عدو سے ہی ڈر گئے یارو

جب چھنی ہم سے فِکر کی دولت
پھر تو ہم در بدر گئے یارو

جن خداؤں کی ہم نے پوجا کی
وہ خدا اب کدھر گئے یارو

جب ضرورت مجھے مدد کی تھی
یار سارے مُکر گئے یارو

جو ہمارا سہارا تھے ثاقبؔ
ہم سفر وہ کدھر گئے یارو

کتنی مشکل زندگانی ہو گئی ہے
اُن کی مجھ پر مہربانی ہو گئی ہے

تیز ہوتی جا رہی ہے دل کی دھڑکن
اک بلائے ناگہانی ہو گئی ہے

بعدِ مجنوں ہر زباں پر میرے قصے
پھر سے آغاز اک کہانی ہو گئی ہے

اِذن دو تجدیدِ الفت کا ہمیں بھی
بات جاناں اب پرانی ہو گئی ہے

ہو گیا ہے کاروبارِ عشق مشکل
آج کل اتنی گرانی ہو گئی ہے

وہ اُڑا کر لے گئی ہے بادلوں کو
کچھ ہَوا کو بدگمانی ہو گئی ہے

ہر کہانی عشق کے مکتب کی مجھ کو
یاد اب تو منہ زبانی ہو گئی ہے

جب غزل اپنی سنائی تُو نے ثاقب
دیکھو محفل کیا سہانی ہو گئی ہے

کچھ نئے خواب آنکھوں میں سجاتے ہیں
پھر سے دل میں کسی کو ہم بٹھاتے ہیں

دھوم ہو ایسی تیرے نام کی جاناں
جشن ایسا ابھی دل میں مناتے ہیں

ہم اُلٹ دیتے ہیں ساری کہانی کو
عشق میں ایسے داؤ آزماتے ہیں

دیکھتے ہیں اچھلتا کیوں ہے دل ہر پل
ہم رگوں کو یوں دل کی گدگداتے ہیں

بات کوئی لبوں پر رک سی جاتی ہے
اپنے دل میں بَھلا وہ کیا چھپاتے ہیں

آتے ہیں وہ کبھی خوابوں خیالوں میں
شور دل میں کبھی آ کے مچاتے ہیں

یاد پھر ان کی آئی دل کے گلشن میں
اب غزل کوئی ثاقب گنگناتے ہیں

مَیں چلا تو دشت بھی چلنے لگا
دل میں انجانا سا ڈر پلنے لگا

دشت میں گرمی بہت تھی اس لئے
پتا پتا ریت میں جلنے لگا

دن کو سورج ساتھ تھا ہر پل مرے
چاند شب کو ساتھ میں چلنے لگا

شام ہونے کو تھی سورج ڈھل گیا
روشنی کو پھر دیا جلنے لگا

اُن کی یادوں کے دیئے جلنے لگے
اک سراپا صحن میں چلنے لگا

زندگی کا اب یہی معمول ہے
رات گزری دن بھی پھر ڈھلنے لگا

تیرگی سے کہہ دو ثاقب اب نہیں
دل کے اندر اک دیا جلنے لگا

مَیں سفر میں ہوں ہم سفر چاہوں
چھت پہ اک چاند رات بھر چاہوں

سوچتا ہوں خدا سے کیا مانگوں
تجھ کو مانگوں گا مَیں اگر چاہوں

دال روٹی بہت ہے میرے لئے
اور رہنے کو ایک گھر چاہوں

گھر میں کھڑکی ہو چاند کھڑکی میں
صحن میں اک ہَرا شجر چاہوں

کب سے بیٹھا ہوں کھول کر اخبار
کوئی تازہ نئی خبر چاہوں

شیر سی ہو بہادری مجھ میں
اور چیتے کا مَیں جگر چاہوں

سب کی ثاقب جگہ بدل ڈالوں
جو اُدھر ہے اُسے اِدھر چاہوں

یہ الجھن کیسی الجھن ہے ذرا سوچو
بھلا کیوں اجڑا گلشن ہے ذرا سوچو

کسی نے تو لگائی ہو گی یہ آتش
ترا جلتا نشیمن ہے ذرا سوچو

حقیقت وہ نہیں جو دیکھتے ہو تم
کہ سچ کے آگے چلمن ہے ذرا سوچو

حقیقی دیں غلافوں میں چھپایا ہے
یہ مذہب تیرا دشمن ہے ذرا سوچو

تمہاری راہ کے دشمن ہیں یہ کانٹے
انہی سے الجھا دامن ہے ذرا سوچو

تمہارے واسطے تہذیب یورپ کی
بڑی زہریلی ناگن ہے ذرا سوچو

معزز یوں بنے پھرتے ہو ثاقب تم
مگر آلودہ دامن ہے ذرا سوچو

زیاں کا اب ازالہ بھی نہیں ممکن
زمیں پر چاند لانا بھی نہیں ممکن

کسی جانب جو چل کے آ گیا ہوں مَیں
وہاں سے مڑ کے آنا بھی نہیں ممکن

نیا سورج ابھر کر آنے والا ہے
یہاں پر اب اندھیرا بھی نہیں ممکن

حدودِ رشک سے میں اب نکل آیا
ابھی خود کو جلانا بھی نہیں ممکن

مرے کندھوں کو عادت ہو گئی جیسے
گراں پتھر اٹھانا بھی نہیں ممکن

محبت کا ارادہ کر لیا مَیں نے
ابھی اس کو نبھانا بھی نہیں ممکن

مرے دل میں حرارت ہی نہیں ثاقب
یہ دل اب تو جلانا بھی نہیں ممکن

وہ حسنِ حشر ساماں ہے معاذاللہ
نگاہِ شوق حیراں ہے معاذاللہ

کرشمے بھی تو ہوتے ہیں محبت میں
جدائی کا بھی امکاں ہے معاذاللہ

تمازت ریت میں ، کانٹے زباں پر ہیں
تقاضائے بیاباں ہے معاذاللہ

صبا بھی خار و خس میں منہ چھپائے ہے
چمن سارا ہی ویراں ہے معاذاللہ

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے دیکھو
ابھی قحطِ بہاراں ہے معاذاللہ

چھپاتی ہے یہ لاشیں کتنی دامن میں
زمیں گورِ غریباں ہے معاذاللہ

کہیں پر زلزلے ہیں غم کے نالے ہیں
کہیں جشنِ بہاراں ہے معاذاللہ

ذرا محتاط رہنا تم ابھی ثاقب
کوئی پھر چاک داماں ہے معاذاللہ

تیری آنکھوں کے دریچے میں کہیں
کھو نہ جاؤں اس نگینے میں کہیں

ہو بہو تیری ادائیں تیرے نقش
صورت اک دیکھی تھی سپنے میں کہیں

آ رہی ہے خوشبوئے بادِ شِمال
تیری یادوں کے سفینے میں کہیں

دیکھنے میلہ گیا تھا مَیں مگر
بُھول آیا آنکھیں میلے میں کہیں

روز شب کو ہوتا ہے روشن ضرور
کوئی رہتا ہے ستارے میں کہیں

توڑ کر گُلدان میں رکھنا نہ پھول
مَر نہ جائے یوں سجانے میں کہیں

ایک پتھر راستے میں تھا پڑا
کھا گیا ٹھوکر اندھیرے میں کہیں

بھیج دو گاڑی ابھی ثاقب انہیں
ہو نہ مشکل آنے جانے میں کہیں

شاعری میں کچھ انوکھا لکھ رہا ہوں
عشق کا گویا صحیفہ لکھ رہا ہوں

پھول خوشبو چاندنی کالی گھٹائیں
حسن کا جیسے سراپا لکھ رہا ہوں

سن چکا ہوں زندگی اک امتحاں ہے
امتحاں کا اب نتیجہ لکھ رہا ہوں

اب تو سورج کی تھکن بھی دیدنی ہے
دھوپ ہے ہر سُو مَیں سایہ لکھ رہا ہوں

ہر بڑی شے اب تو چھوٹی لگ رہی ہے
مَیں سمندر کو بھی نالا لکھ رہا ہوں

دوسروں کی مدح کرتے عمر گزری
اب مَیں خود اپنا قصیدہ لکھ رہا ہوں

شاعری تو کب کی ثاقب ترک کر دی
آج کل مَیں اک ڈراما لکھ رہا ہوں

وقت بدلا ہو گئے جذبے کمینے
نیند ٹوٹی خواب بھی ٹوٹے کمینے

ہم ہمیشہ کرتے ہیں باہم لڑائی
لڑتے لڑتے پھٹ گئے کُرتے کمینے

پھڑپھڑائے تو بہت قیدی پرندے
ہاں مگر کُھلتے نہیں دڑبے کمینے

میرے سورج سے وہ شرمانے لگے ہیں
دن چڑھا تو چُھپ گئے تارے کمینے

کرکے بنجر بیٹھے ہیں اپنی زمینیں
دانے دانے کو وہ پھر ترسے کمینے

ہو گیا خس کم جہاں ثاقب ہوا پاک
مرتے مرتے مر گئے سارے کمینے

ناروا ہیں شکایتیں ساری
دل کے اندر ہیں وحشتیں ساری

درد سے ہو گیا ہے دل خوگر
بے اثر ہیں اذیتیں ساری

چشمِ بینا میں روشنی ہے بہت
کھل گئی ہیں حقیقتیں ساری

جب سے خود کو کیا فنا فی اللہ
مجھ سے کمتر ہیں قیمتیں ساری

اب برابر ہیں زندگانی میں
وصل سب اور فرقتیں ساری

ہاتھ اب کر دیئے کھڑے ہم نے
ترک کر دی ہیں عادتیں ساری

روح کی پیاس بجھ نہیں سکتی
بے وجہ ہیں ضرورتیں ساری

جب غریبی میں پیٹ خالی ہو
جہل ہیں پھر حکایتیں ساری

اب فزوں تر ہیں نفرتیں ثاقب
رائیگاں ہیں محبتیں ساری

پھر سویرا ہوا کرن چمکی
دل کی حالت ابھی نہیں سنبھلی

شبِ تاریک کے مقابل میں
تیرے جلووں کی چاندنی نکلی

دیکھ کر اس کی مست انگڑائی
دور افق پر گھٹا نے کروٹ لی

بات یہ جانتا ہے سورج بھی
یہ زمیں گھومتے نہیں تھکتی

دل بھی دھڑکا تھا دیکھ کر اس کو
آنکھ مَیں نے ابھی نہیں جھپکی

پہلا موسم تھا یہ جدائی کا
پہلی بارش تھی دیر تک برسی

کتنے دن سے اسے نہیں دیکھا
کتنے دن سے غزل نہیں اتری

آگ ہے یہ جدائی کی ثاقب
پانی بن کر جو آنکھ سے ٹپکی

تعاقب میں کوئی چلتا سا لگتا ہے
جو دیکھوں مڑ کے تو دھڑکا سا لگتا ہے

چمک بھی کچھ زیادہ ہے ستاروں کی
فلک پر چاند بھی نکھرا سا لگتا ہے

عجب سی ہے جنونِ عشق میں حالت
یہ اپنا گھر بھی انجانا سا لگتا ہے

بہت ہی غور سے دیکھا ہے آئینہ
یہ چہرہ جانا پہچانا سا لگتا ہے

بہت ہی برق رفتاری سے ہے گزرا
یہ جیون بھی کوئی سپنا سا لگتا ہے

پرندہ تھا مَیں شاید اک زمانے میں
یہ بوڑھا پیڑ کچھ اپنا سا لگتا ہے

ہزاروں غم رواں ہیں موج کی صورت
یہ اپنا دل مجھے دریا سا لگتا ہے

کسی کی یاد پھر سے آئی ہے ثاقب
پرانا زخم کچھ تازہ سا لگتا ہے

پھول پتے اور شجر بھی زرد ہیں
اس زمیں پر سب بشر بھی زرد ہیں

چُھپ گئے جگنو دِیا خاموش ہے
چاند بھی سب راستے بھی زرد ہیں

اس چمن میں بلبل و گل خار و خس
ساری گلیاں سب نگر بھی زرد ہیں

اب تو مِلنا اور مِلانا ہے فضول
راستے بھی ہم سفر بھی زرد ہیں

اس مکاں میں کیا رہیں ثاقب مکیں
جس کی چھت دیوار و در بھی زرد ہیں

رہبرِ کون و مکاں افسوس ہے
سوئے دوزخ سب رواں افسوس ہے

چل پڑی ہے خود پرستی کی ہوا
سب کو ہے فکرِ زیاں افسوس ہے

اب جنونِ عشق میں سودا نہیں
اب محبت ہے دکاں افسوس ہے

کوئی تارے توڑنے آتا نہیں
ہے فلک گریہ کناں افسوس ہے

اب یہاں گل ہے نہ خوشبو ہے نہ رنگ
ایسا اجڑا گلستاں افسوس ہے

ہر طرف بے چارگی چھائی ہوئی
اور خدا جانے کہاں افسوس ہے

ہے زمیں پیروں تلے جلتی ہوئی
سر کے اوپر آسماں افسوس ہے

اب یہاں کچھ بھی نظر آتا نہیں
ہر طرف ثاقب دھواں افسوس ہے

صنم ساتھ ہے رات بھی چاندنی ہے
محبت کرو یہ سہانی گھڑی ہے

سرِ شام ٹھنڈی ہوا چل پڑی ہے
ابھی گھر کو جاتے ہیں سردی بڑی ہے

محبت نشہ ہے نشے میں حرارت
کہ جذبات میں آگ ہے بے خودی ہے

چمن میں چلی ہے نسیمِ سحر یوں
کہ جب اس نے چوما کلی کھل اٹھی ہے

کوئی ساز چھیڑو کوئی نغمہ گاؤ
یہ رقصِ محبت ہے دل کی لگی ہے

کہاں سے چلے تھے کہاں آ گئے ہم
وہی ہے وہی یہ پرانی گلی ہے

یہ جینا یہ مرنا یہ پھر مر کے جینا
یہ کیا سلسلہ ہے یہ کیا زندگی ہے

ذرا آنکھ کھولو ابھی جاگو ثاقب
جو دیکھو تو باہر حقیقت کھڑی ہے

سر پہ سورج اٹھائے پھرتا ہوں
دھوپ سایہ بنائے پھرتا ہوں

چاند مٹھی میں کر لیا مَیں نے
آستیں میں چھپائے پھرتا ہوں

کچھ اجالا تو ہو اندھیرے میں
ایک شمع جلائے پھرتا ہوں

طوق غیروں کی یوں غلامی کے
بس گلے میں سجائے پھرتا ہوں

ابنِ مریم کی ہے تلاش مجھے
زخم اپنے چھپائے پھرتا ہوں

ہو چمن میں بہار کا موسم
خواب یونہی سجائے پھرتا ہوں

نفرتوں سے بھرا ہے دل ثاقب
سینے سے کیوں لگائے پھرتا ہوں

شاخ پر تھا گُل کِھلا رہنے دیا
خار کو حیران سا رہنے دیا

مجھ کو ٹھوکر تو لگی اس سے مگر
ایک پتھر تھا پڑا رہنے دیا

میں نے دریا کی روانی دیکھ کر
تیر کر جانا تو تھا رہنے دیا

بس زمیں سے ہی اسے دیکھا کئے
آسماں پر چاند تھا رہنے دیا

معذرت اس نے تو کی میں نے مگر
شکریہ کہہ کر گِلا رہنے دیا

اس سے پہلے کہ چڑھے اس کو خمار
ہوش میں لا کر نشہ رہنے دیا

سارے بُت ہی توڑ ڈالے تھے مگر
آخری بُت کو کھڑا رہنے دیا

اس نے سب زیور اتارے پیار سے
ناک میں نتھ کو پڑا رہنے دیا

آدمی کو آدمی سے تھا گِلہ
فائدہ کچھ بھی نہ تھا رہنے دیا

کام کا ثاقب ارادہ کر لیا
بس نہ اپنا جب چلا رہنے دیا

تیری مُٹھی میں یہ دَبا ہے کیا
میرا دل یوں مچل رہا ہے کیا

اب اِدھر سے تو چل پڑا ہوں مَیں
وہ اُدھر سے بھی چل پڑا ہے کیا

اتنی پُرشور کیوں ہے خاموشی
جس کو جانا تھا جا چکا ہے کیا

اِس مکاں میں ہے کتنی ویرانی
اب یہاں کوئی رہ رہا ہے کیا

بیٹھا ہے جانے کن خیالوں میں
سو رہا ہے یا جاگتا ہے کیا

آ رہی ہے یوں دم بدم خوشبو
میری سانسوں میں بس رہا ہے کیا

کیوں نکلتی نہیں ہے جاں ثاقب
آنے والا وہ آ چکا ہے کیا

وحشی ہوا آسماں سر پر اٹھائے ہوئے
دریا بھی ہیں آستینیں جیسے چڑھائے ہوئے

کتنا غضب ہے فلک کی آنکھ میں جانے کیوں
سب ہیں کھڑے کوہ بھی سینہ پھلائے ہوئے

سارے پرندے کہیں ہجرت میں مارے گئے
شرمندگی سے شجر ہیں منہ چھپائے ہوئے

شہرِ خموشاں ابھی ڈوبا اندھیروں میں ہے
اب خوف نے ہیں دلوں میں گھر بنائے ہوئے

دریا کنارے پڑی ہیں مچھلیاں جا بجا
بھوکی زمیں ہاتھ ہے اپنے بڑھائے ہوئے

بڑھنے لگا آئے دن پھر عاشقوں کا ہجوم
سارے بشر ہیں کفن سر پر اٹھائے ہوئے

مایوس ہے اب خدا آدم کی تخلیق پر
ثاقب کھڑا ہے یونہی سر کو جھکائے ہوئے

وہ دل مانگتا ہے وہ جاں مانگتا ہے
ستاروں بھرا آسماں مانگتا ہے

جسے ایک کمرہ دیا تھا مکاں میں
وہ مہماں تو سارا مکاں مانگتا ہے

نرالا ہے یہ کاروبارِ محبت
محبت میں عاشق زیاں مانگتا ہے

مَسل کر وہ پھولوں کو پاؤں کے نیچے
بہاروں کی رُت میں خزاں مانگتا ہے

رگِ جاں میں رہتا ہے مالک جہاں کا
بشر پھر بھی سارا جہاں مانگتا ہے

مجاہد تو خود اک اذاں ہے خدا کی
یہ مسجد میں ملّا اذاں مانگتا ہے

کسی دن اُٹھا دے گا پردے وہ سارے
نظارے ابھی کچھ نہاں مانگتا ہے

یہ دل ہے یا کوئی کھلونا ہے ثاقب
یہاں پر پڑا ہے وہاں مانگتا ہے

یہ کیسی بکھری بکھری زندگی ہے
پریشانی میں ہر اک آدمی ہے

سمجھ بیٹھے محبت تم جسے وہ
محبت تو نہیں ہے دوستی ہے

کمر پتلی کی دیکھو چال ، جیسے
کوئی تتلی ہَوا میں ڈولتی ہے

نہیں ہوں ناامید اب اس قدر بھی
اندھیرے میں ابھی کچھ روشنی ہے

یہاں پر سب کی نظریں ہیں مجھی پر
چلا جاؤں اسی میں بہتری ہے

لگائی تھی گِرہ جو اپنے ہاتھوں
ابھی دانتوں سے ہم کو کھولنی ہے

خموشی تو بڑی نعمت ہے ثاقب
زباں ہی بھید سارے کھولتی ہے

شہر میں حُسنِ بلا کا فتنہ ہے
یہ طلسمِ خوش ادا کا فتنہ ہے

خواہشِ دیدارِ حُسنِ سحر خیز
عاشقانِ جاں فدا کا فتنہ ہے

رفتہ رفتہ بن گیا ناسورِ دل
ایک دردِ لادوا کا فتنہ ہے

سب جمالِ یار پردے میں رہا
جو بھی ہے بندِ قبا کا فتنہ ہے

تیرگی ہے سایہء ماہِ تمام
چاند بھی ارض و سما کا فتنہ ہے

مل سکا ساحل نہ کشتی کو مگر
باخدا یہ ناخدا کا فتنہ ہے

فتنہ ہائے زندگی ہیں بے شمار
وصل و ہجر و بے وفا کا فتنہ ہے

یہ مکافاتِ عمل ثاقب ہے کیا
کچھ سزا کا کچھ جزا کا فتنہ ہے

بہار آئی شجر بھی کلام کرنے لگے
حسین رنگ بھی کیا کیا گلوں میں بھرنے لگے

بنا پروں کے ہواؤں میں اڑ رہا ہے جھوٹ
سبھی پرندے شکایت ہوا سے کرنے لگے

بہت دلیر بنے پھرتے تھے زمانے میں
ذرا سی آندھی چلی اور ہم بھی ڈرنے لگے

جو بکھری زلف ہوا کی تھی دل لگی لیکن
حسین گال پہ ان کے یوں رنگ بھرنے لگے

نہ جانے لوگ مروت کو کیا سمجھتے ہیں
کی ہنس کے بات محبت کا دم وہ بھرنے لگے

تمام رات اندھیروں کا راج تھا ثاقب
نویدِ سحر سنی تو اندھیرے ڈرنے لگے

چشمِ قاتل پھر سے ہے ناوک فگن دل کیا کرے
کیسے لائے تابِ زلفِ پر شکن دل کیا کرے

اک طرف ہے قامت و گیسوئے جاناں کا خیال
اک طرف ہے دہشتِ دار و رسن دل کیا کرے

ہے قیامت چال ان کی دلبرانہ اور پھر
دُور سے آتی ہے بوئے پیرہن دل کیا کرے

ایک بت کافر ادا کا حسن ہے جادو اثر
اور ڈرائیں مجھ کو شیخ و برہمن دل کیا کرے

عشق میں دیوانگی ہے اک جنوں ہے اور بس
فیصلے کرتا ہے کچھ چرخِ کہن دل کیا کرے

کر گئے ہجرت پرندے سب کے سب کس دیس میں
کس قدر ویران ہے دل کا چمن دل کیا کرے

کھیت میں دل کے ابھی اگنے لگے ہیں خار وخس
ہجر کی اب دھوپ ہے سایہ فگن دل کیا کرے

جانے ثاقب کب رسائی ہو لبِ شیریں تلک
تشنگی سے خشک ہیں کام و دہن دل کیا کرے

ہم کو رسوا ہی کرے گی یہ جوانی دل کی
اب کہاں تک سنیں ہم جھوٹی کہانی دل کی

اک نئی آگ لگا دیتی ہے ہر اک دھڑکن
جانے کیا حشر اٹھاتی ہے روانی دل کی

ایک دن ہم نے بھی اظہارِ وفا کر ہی دیا
ہم کو لے ڈوبی فقط چرب زبانی دل کی

زلفِ خم دار کبھی تیرِ مژہ کا غم ہے
کیا کہیں ہم یہ حکایت ہے پرانی دل کی

کوئے جاناں میں شب و روز پھرے آوارہ
گھومتی رہتی ہے ہر پل یہ مدھانی دل کی

ہم نے اقرار محبت کا تو کرنا چاہا
گنگ کر دیتی ہے ہم کو بے زبانی دل کی

اپنی مرضی سے نہیں کچھ بھی تو ممکن ثاقب
کرتی ہے ہم پہ حکومت جو ہے رانی دل کی

سکوتِ شب میں مجھے کیا سنائی دیتا ہے
مرے وجود میں کوئی دہائی دیتا ہے

کوئی چراغ جلانے کی کیا ضرورت ہے
وہ تیرگی میں بھی مجھ کو دکھائی دیتا ہے

سمیٹتا بھی نہیں مجھ کو اپنے دامن میں
وہ مہربان نہ خود تک رسائی دیتا ہے

تھکن سے چُور ہیں آنکھیں شبِ جدائی میں
نہ دل کو چین نہ رستہ سجھائی دیتا ہے

جمالِ شوخ ادا کی یہ بے نیازی ہے
کسی کو وصل کسی کو جدائی دیتا ہے

کوئی عناد وہ دل میں کبھی نہیں رکھتا
چراغ سب کو سدا روشنائی دیتا ہے

یہ منحصر ہے اسی کی کرم نوازی پر
نہ جانے کب وہ قفس سے رہائی دیتا ہے

ازل سے ذات ہی وہ بے نیاز ہے ثاقب
کسی کسی کو وہ حق آشنائی دیتا ہے

ستم گری کی فسوں کاری ہے زمانے میں
فساد و شر کی فراوانی ہے زمانے میں

نظامِ زر کے تقاضے بھی بڑھتے جاتے ہیں
ابھی ہوا کی بھی نجکاری ہے زمانے میں

یہاں پہ دام تو پانی کے بڑھ گئے لیکن
بشر کے خون کی ارزانی ہے زمانے میں

کسی کو آج سمجھنا بہت ہی مشکل ہے
بہت زیادہ اداکاری ہے زمانے میں

اگرچہ دھوپ ہے گرمی بہت زیادہ ہے
فضا ستم ہے زمستانی ہے زمانے میں

جدید دور کے فرعونوں کے وہی حربے
انہی کا ہر کوئی درباری ہے زمانے میں

بہت ہی زہر زدہ ہے زمین اب ثاقب
شجر ہیں بانجھ ہوا کڑوی ہے زمانے میں

ظلم حد سے بڑھ گیا ہے آسماں خاموش ہے
فردِ واحد لڑ رہا ہے اور جہاں خاموش ہے

جسم زخمی روح گھائل اور دامن تار تار
لُٹ گیا ہے سارا گلشن پاسباں خاموش ہے

سب ہی مردانِ وفا ہیں پابجولاں قید میں
اور سالارِ وطن کا رازداں خاموش ہے

عہدِ حاضر کے یزیدوں کے وہی ظلم و ستم
ان کے بارے میں مگر کیوں داستاں خاموش ہے؟

پھول چن چن کرتو گل چیں لے گیا ہے اب سبھی
ہو رہا ہے کیا تماشا باغباں خاموش ہے

سب مکیں ظلم و جفا کی جنگ میں مارے گئے
ہیں در و دیوار خستہ اور مکاں خاموش ہے

سرکشی موجوں میں اور دریا تلاطم خیز ہے
کشتی ہے منجدھار میں اور بادباں خاموش ہے

دیکھنا ثاقب یہ منظر بھی بدلنا ہے ضرور
وہ کہیں گے کیا ہوا کیوں مہرباں خاموش ہے

افتخار ثاقب کی تصنیفات

شائع شدہ کتب:

۱۔رقص دل (اردو شاعری)

۲۔ستاروں سے پرے (اردو شاعری)

۳۔روشنی کا بدن (اردو شاعری)

زیرِ طبع کتب:

۱۔زندگی ادھوری ہے (اردو شاعری)

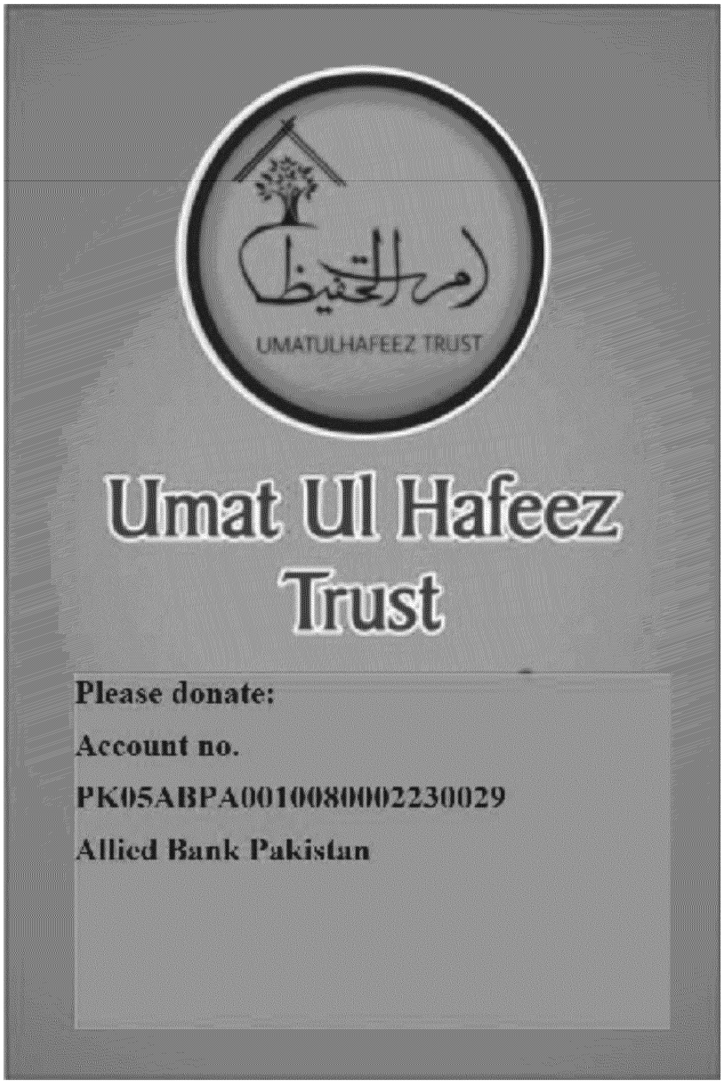
۲۔اجنبی جزیروں میں (اردو شاعری)

۳۔نیلے اتھرو (پنجابی شاعری)

امت الحفیظ ٹرسٹ

سب کام کریں گے
وطن خوشحال ہو گا

بھیک نہیں۔ اپنا روزگار


UMATULHAFEEZ TRUST
Umat Ul Hafeez
Trust
Please donate:
Account no.
PK05ABPA0010080002230029
Allied Bank Pakistan

(نوٹ)

۔ادارے کی کوئی بھی کتاب کا دس فیصد منافع (امت حفیظ ٹرسٹ) کو دیا جاتا ہے